جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد ۲۵ نمبر ۴

شعبان ۱۴۴۰ھ / اپریل ۲۰۱۹ء

شمارہ نمبر ۱

سرپرست

حضرت الحاج مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ

مدیر مسئول

حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مدظلہ ناظم جامعہ ہذا

نگران

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ امین عام جامعہ ہذا

مدیر تحریر

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مجلس ادارت

- مولانا محمد ساجد حسن صاحب مظاہری
- مولانا محمد خالد سعید صاحب اعظمی
- مولانا مفتی شعیب احمد صاحب بستوی
- مولانا مفتی بشیر احمد صاحب سہارنپوری

زرتعاون

فی شمارہ ——— ۱۵؍روپے

سالانہ زرتعاون ——— ۱۵۰؍روپے

بیرون ملک سالانہ ——— ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM URDU MONTHLY MAGAZINE
SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA
Ph: 0132-2655542
Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

اداریہ	پھر الیکشن……	عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۳
درس قرآن	استعاذہ: احکام وفضائل (۲)	مولانا محمد ساجد حسن سہارنپور	۷
انوارحدیث	اپنی ذریت کو……	مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری	۱۱
مقالات ومضامین	وقت کی اہم ضرورت	مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی	۱۳
	عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک	مولانا ندیم احمد انصاری	۱۸
	کرنے کے تین کام	مولانا مدثر جمال تونسوی	۲۳
	کرکٹ………	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی	۲۸
	جمہوری نظام میں الیکشن	مفتی محمد خالد حسین نیموی	۳۲
	ماہِ رمضان	مولانا ابوجندل قاسمی	۳۷
	اتحاد واتفاق اور…….	مولوی محبوب سہارنپوری	۴۴
	فتاویٰ	انتخاب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۴۸

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

پھر الیکشن کا ہنگامہ

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

سوسال سے زیادہ مدت تک ہمارے پیارے اور پوری دنیا سے منفرد، قدرتی دولت سے مالامال ملک کو انگریزوں نے ہمیشہ کے لئے اپنی ذہنی غلامی میں گرفتار رکھ کر ”لڑاؤاور راج کرو“ ملک دشمن اصول پر راج کیا، اللہ تعالی بہت بہت جزائے خیر عطافرمائے امت کے اُن جیالوں کو جنھوں نے انگریزوں کی اِس مذموم حرکت کو بروقت محسوس کیا اور ان کی جابر طاقت سے آنکھیں چار کر کے ہندوستان کو ان کے ناپاک چنگل اور ملک دشمن عزائم سے واقف کرایا اور اِس ملک کو اُن کی دستبرد سے آزاد کرایا، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ عظیم قربانیوں کے بعد بھی اِس ملک کی زمام اقتدار کچھ ایسے ملک دشمن افراد کے ہاتھوں میں چلی گئی جو اب بھی انگریزوں کے اسی اصول ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ پر کاربند ہیں اور اِس پورے ملک کو اقتصادی اور مادی اعتبار سے بہت ہی بدحال کر دیا ہے۔

ہمارا یہ ملک جمہوری ہے، یہاں کا نظام حکومت جمہوری بنیادوں پر قائم ہے، جس کے لئے اصولی طور پر الیکشن اور ووٹ کا سہارا لیا جاتا ہے، عوام کی طرف سے نمائندے منتخب ہوتے ہیں جن کی مجموعی نمائندگی سے حکومت بنتی ہے اور پورے ملک کا نظام چلتا ہے۔

ابھی ماضی قریب میں ایک ایسی روحانی وعرفانی عظیم شخصیت حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ کی گذری ہے جن کی تحریریں اصلاح امت کے لئے بڑی مؤثر ہوا کرتی تھیں، مولانا موصوف مرحوم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ملکی وملی مسائل پر گہری نظر رکھتے ہوئے ان کا مؤثر اور لائق عمل حل دین وشریعت کی روشنی میں تلاش کر کے امت کے سامنے لاتے، ملک کے

موجودہ حالات کی روشنی میں ان کے ایک مضمون کو اپنے اس ادارتی تحریر میں پیش کرتا ہوں، جوامت کی بروقت رہنمائی کے لئے بڑا ہی کافی وشافی ہے۔

حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں:

’’ہندوستان میں ایک بار پھر الیکشن کا ہنگامہ گرم ہونے والا ہے،حکومت واقتدار کے لئے کچھ نئے کچھ پرانے ہتھیار بنائے اور تیز کئے جارہے ہیں، خدا ہی جانتا ہے کہ اس تیز وتند طوفان کی تہ سے کیا چیز باہر آئے گی۔کاش کوئی معقول، کوئی نیک نیت اور خلوص سے ملک کی اور عوام کی خدمت کرنے والی حکومت آتی، گوکہ آثار ایسے نظر نہیں آتے، نہ ارباب، حکومت کے احوال پُر امید ہیں اور نہ عوام کے حالات درست ہیں۔

حکومت کی بدنیتی کا حال تو سب کو معلوم ہے، اور اس کے آثار بھی ملک بھر میں نمایاں ہیں،حکومت جب خوش نیت ہوتی ہے تو رعایا آسودہ اور خوشحال ہوتی ہے، آسمان اور زمین کی برکتیں کھل جاتی ہیں، اور حکومت بدنیت ہوتی ہے تو عوام میں ٹکراؤ ہوتا ہے اور بے چینی ہوتی ہے، زمینی آفات، آسمانی بلائیں سب گھیرتی ہیں، حکومت کی نیت کا اثر پورے ملک پر پڑتا ہے،زندگی کا ہر شعبہ اس سے متاثر ہوتا ہے۔

اب عام پبلک کی بات سنئے! ان کے حالات کا مشاہدہ کیجئے تو ہر شخص کا حال عجیب نظر آئے گا،خودغرضی، مفاد پرستی، جتنا بس چل سکے دوسروں کو دبانا، طاقت کے بقدر ظلم وغیرہ، ایک عجیب افراتفری کا عالم ہے، اس حالت میں کیا توقع خیر کی ہوسکتی ہے، اور کیا امید کی جاسکتی ہے کہ اس الیکشن کے طوفانِ بلاخیز سے کوئی اچھی حکومت ابھر سکتی ہے۔

ایک بزرگ سے کسی نے ظالم حکمراں کی شکایت کی، توانھوں نے ارشاد فرمایا کہ دو یار ہم سفر تھے، ایک نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے سلطنت عطا فرمائے تو ایسا عدل وانصاف کروں اور جود وکرم کی وہ داد دُوں کہ کبھی کسی نے سنا بھی نہ ہو، دوسرا بولا کہ اگر میں بادشاہ ہوجاؤں تو ہر روز ایک آدمی کو قتل کیا کروں، اور ایسے ایسے ظلم ایجاد کروں کہ جو کسی کے خیال میں بھی نہ گزرے

ہوں! خدا کی قدرت! کچھ مدت کے بعد وہ ظلم دوست آدمی صاحب تخت وتاج ہو گیا اور اپنے ارادہ ومنشا کے مطابق اس نے ایسے ایسے ظلم شروع کئے کہ تمام ملک میں شور قیامت برپا ہو گیا، اتفاقاً وہ عدل پسند یار بھی وہاں آنکلا، لوگوں نے اس کے روبرو واویلا کی کہ صاحب! بادشاہ آپ کا قدیم دوست ہے، کچھ تم ہی سمجھاؤ کہ جورِ بے حد سے باز آئے، اس نے تنہائی میں نصیحت کی کہ یار! کچھ تو خدا سے ڈر، کیوں خلقت کو تباہ کرتا ہے، اس نے جواب دیا! اے احمق! اگر اللہ کو لوگوں پر رحم کرنا منظور ہوتا تو مجھ کو دولت وسلطنت کیوں دیتا، تجھ ہی کو نہ بادشاہ بناتا، کیا تجھ کو یاد نہیں کہ میں نے اس سفر میں کیا کہا تھا؟

اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہت خود سے نہیں برپا ہوتی، خدا جس کو چاہتا ہے بادشاہت عطا فرماتا ہے، ارشاد ہے: **قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآئُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآئُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَائُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآئُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَئْیٍ قَدِیْرٌ o**

تم کہہ دو کہ اے اللہ، اے ملک کے مالک آپ جسے چاہتے ہیں غلبہ عطا فرماتے ہیں اور جس کو چاہتے ہین ذلت کے گڈھے میں گرادیتے ہیں، آپ ہی کے ہاتھ میں سب خیر ہے، بلاشبہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

جب یہ ہے تو اللہ کے بندے اپنے احوال واعمال جیسا بناتے ہیں، اسی طرح کی حکومت مسلط کی جاتی ہے، اگر بندے اس لائق ہوتے کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے تو اچھی حکومت لاتے۔

اگر واقعی اچھی حکومت درکا ہے تو رعایا میں ایمان داری، سچائی، باہمی ہمدردی، خیر خواہی کا چلن عام ہونا چاہئے، ورنہ بد چلن رعایا بد چلن حاکم ہی کا انتظار کرے، بالخصوص مسلمان جن کو یہاں کی حکومت سے سب سے زیادہ شکایت ہے، الیکشن کی تمام زور آزمائیوں کا یہ بارہا تجربہ کر چکے ہیں، نتیجہ ہمیشہ خلاف رہا، ہر اگلا دن پچھلے دن سے مشکل آتا گیا ہے، ان کے پاس تو زندگی کا ایک

مکمل اور پاکیزہ دستور العمل ہے، یہ اس دستور العمل کو سیکھتے اور اپنے اوپر اس کو نافذ کرنے کا حوصلہ رکھتے، تو رنگ بدلتے دیر نہ لگتی، مگر ہماری حالت نہایت افسوسناک ہے، ہم دنیا میں دو ہی چیز دیکھتے ہیں، اپنا ہنر اور دوسروں کا عیب! جو کوئی ہنر دیکھتا ہے تو اپنی ذات تک محدود رہتا ہے، اور اگر کوئی عیب تلاش کرنا شروع کرتا ہے تو دوسرے سے اس کی ابتدا کرتا ہے، اپنے کو ہمیشہ مستثنیٰ کر لیتا ہے۔

ہم حکومت کو کیا مخاطب کریں کہ اس کے ایوانِ بلند تک ہماری ضعیف آواز کی رسائی کہاں؟ ہم غیر مسلموں سے کیا کہیں کہ ان کے سوچنے اور سمجھنے کا انداز تک ہم سے میل نہیں کھاتا، ہم اپنے بھائیوں کو یعنی اسلام کے نام لیواؤں کو پکار سکتے ہیں اور پکارتے ہیں کہ یہ تو اپنے دستور العمل (قرآن وحدیث) کا پاس ولحاظ رکھیں، علماء ومشائخ اس کے اولین ذمہ دار ہیں، پھر عوام پر لازم ہے کہ ان علماء ومشائخ سے اپنے اعمال وکردار کی اصلاح کرائیں، تاکہ خدا تعالیٰ راضی ہوں اور وہ اپنے اختیار سے حکومت میں کوئی بڑی تبدیلی پیدا کریں۔ **وما ذلک علی اللّٰہ بعزیز**"

آج ضرورت اس بات کی ہے اور یہی اس وقت مسلمانوں کا دینی فریضہ بنتا ہے کہ مسلمان اپنے دین میں اور پختہ تر ہو جائیں۔

یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضر کم من ضل اذا اھتدیتم۔ (سورۃ المائدۃ)

اے ایمان والو! تم اپنے طریقہ کو لازم پکڑے رہو تم کو گمراہ لوگ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اگر تم ہدایت کے راستہ پر چلتے رہے۔

مسلمان مایوسی اور خوف کی فضا میں گھٹ گھٹ کر جینے کے بجائے اپنے شاندار ماضی کی شاندار روشن تاریخ کو یاد کریں، ہوائے طاعت سے اپنی زندگیوں میں امیدوں کا شجر سرسبز وشاداب کریں، حکومتیں بھی موافق ہونگی اور پُر امن فضا میں جینے کا لطف اور مزہ بھی آئے گا، ان شاء اللہ **حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الوَکِیْل نِعْمَ الْمَوْلیٰ وَنِعْمَ النَّصِیْر**

درسِ قرآن — دوسری قسط

استعاذہ: احکام وفضائل

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری استاذ حدیث وتفسیر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ۔ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۔ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ۔

معاف کرنے کی عادت بناؤ، اور نیک کام کرنے کی تعلیم دیا کرو، اور جاہلوں سے کنارہ کیا کرو، اور اگر شیطان کے ابھارنے سے غصہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو، بلاشبہ وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے، جن کے دلوں میں ڈر ہے جب ان کو شیطان کے ابھارنے سے کوئی غصہ آتا ہے، تو وہ فوراً اللہ کی یاد میں لگ جاتے ہیں اور سنبھل جاتے ہیں۔ (اعراف: ۱۹۹ تا ۲۰۱)

تشریح

شیطان کے اس وسوسہ کا علاج بھی اس آیت شریفہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت کسی نالائق کی حرکت پر غصہ آجائے، اور شیطان لعین آپ کو کسی ایسے معاملہ پر آمادہ کردے جو خلاف مصلحت ہو یا آپ کے خلق عظیم اور حلم ومتانت کے شایان شان نہ ہو، تو آپ فوراً اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھئے یعنی شیطان مردود کو اپنے سے دور دفع کرنے کی اللہ سے دعا کیجئے۔

غصہ کا عملی علاج

غصہ کا عملی علاج یہ ہے کہ جب غصہ قابو میں نہ آتا دیکھیں تو سمجھ جائیں کہ شیطان مجھ پر غالب آرہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوکر اس سے پناہ مانگیں۔

حدیث میں ہے کہ دو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لڑجھگڑ رہے تھے اور ایک شخص غصہ میں بے قابو ہو رہا تھا، آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کلمہ کہہ لے تو اس کا یہ اشتعال جاتا رہے، فرمایا وہ کلمہ یہ ہے، **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم**، اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر فورا یہ کلمہ پڑھ لیا تو فورا ہی سارا غصہ اور اشتعال ختم ہو گیا۔

أَنَّ رَجُلَيْنِ تَخَاصَمَا فَانْتَفَخَتْ أَوْدَاجُ أَحَدِهِمَا، وَاحْمَرَّ وَجْهُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ شَرُّ مَا يَجِدُ، لَوْ قَالَ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (صحیح بخاری)

تعوذ کے لئے سب سے مشہور الفاظ: اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کے ہیں، اس کے علاوہ قرآن کی دو آخری سورتیں سورہ الفلق اور سورہ الناس میں تعوذ کا حکم ہے، بہت سی احادیث بھی اس سلسلے میں وارد ہیں۔

تعوذ کی اہمیت:

انسان کی فلاح اس میں پوشیدہ ہے ومضمر ہے کہ وہ ہمہ وقت اللہ کی پناہ میں رہے اور جب بھی کوئی عمل کرے تو شیطان کی دستبرد سے بچا رہے۔

تعوذ پڑھنا نوحؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، مریمؑ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمیت سب انبیائے کرام کا شیوہ تھا، شیطانی وسوسوں سے تحفظ کیلئے یہ خصوصی دعا ہے۔

۱۔ جو بھی اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھتا ہے اللہ اسکی حفاظت فرماتے ہیں۔

۲۔ نماز میں اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنا لازم ہے تاکہ نماز میں وسوسوں سے بچا جا سکے۔

۳۔ حضرت مَعقل بن یَسارؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت تین (۳) مرتبہ **اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** پڑھے اور سورۃ الحشر کی آخری تین آیات پڑھے، تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ستر (۷۰) ہزار فرشتے

مقرر کر دیتے ہیں، وہ شام تک اُس کیلئے دعاء واستغفار کرتے ہیں، اگر اُس دن مر جائے تو شہید بن کر مرے گا، اور جو شام کو پڑھے اُس کو بھی یہی مرتبہ حاصل ہوگا۔

تعوذ کے اوقات

١— جب کوئی شیطانی وسوسہ آئے۔

٢— نماز میں خیالات کے وقت۔ عند تلبس الشيطان على المسلم في صلاته (مسلم)

٣— تلاوت سے پہلے، فإذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشيطان الرجيم [النحل: ٩٨]

٤— بیت الخلاء جاتے وقت، كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا دخل الخلاء قال: (اللهم إني أعوذ بك من الخبث والخبائث)

٥— صبح شام کے اذکار میں۔ ٦— برا خواب دیکھ کر، إذا رأى أحدكم الرؤيا يكرهها، فليبصق عن يساره، وليتعوذ بالله من الشيطان، ويتحول عن جنبه الذي كان عليه)، (مسلم).

عند الفزع من النوم: قال صلى الله عليه وسلم: (إذا فزع أحدكم من النوم، فليقل: أعوذ بكلمات الله التامة من غضبه وشرِّ عباده، ومن همزات الشياطين، وأن يحضرون)، (ترمذی).

٧— حالت غصہ میں، عند الغضب: جاء في حديث الرجل الذي اشتد غضبه، أنه صلى الله عليه وسلم قال: (إني لأعلم كلمة لو قالها لذهب عنه ما يجد، لو قال أعوذ بالله من الشيطان الرجيم)، (بخاری). ٨— ہمبستری سے پہلے۔

٩— جب گدھا رینکے، قال صلى الله عليه وسلم: (إذا سمعتم نباح الكلاب، ونهيق الحمر بالليل فتعوذوا بالله فإنهن يرين مالا ترون)، (ابوداود).

١٠— گمراہی کا خدشہ محسوس ہو، ١١— شرک کا خدشہ ہو،

١٢— بے راہ روی کا خدشہ ہو، ١٣— سفر سے پہلے،

١٤— سفر میں پڑاؤ کے وقت، قال صلى الله عليه وسلم: (مَنْ نزل منزلاً، ثم قال:

أعوذ بكلمات الله التامات من شر ما خلق لم يضره شيئ، حتى يرتحل من منزله ذلك)

۱۵—اندھیرے میں چلتے وقت۔ ۱۶—بادل دیکھ کر۔

۱۷—جسم میں درد کے وقت: عند الوجع في الجسد: فقد قال صلى الله عليه وسلم لمَنْ شكا إليه: (ضع يدك على الذي يألم من جسدك، وقل: بسم الله ثلاثاً، وقل سبع مرات أعوذ بالله وقدرته من شرِّ ما أجد وأحاذر)، (مسلم).

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح، شام، سفر، حضر، امن، جنگ، سوتے جاگتے، بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہوئے اور نماز میں بھی کثرت سے اللہ تعالی کی پناہ مانگتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو بھی اس کی تعلیم دیتے، نیز بچوں میں حسنؓ وحسینؓ کو اللہ کی پناہ میں دیتے ہوئے فرماتے"میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں ہر شیطان اور زہریلے جانور سے اور نظر بد والی آنکھ سے۔

پیغام:

شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے بلکہ ہر مصیبت وآفت کی بنیاد ہے، وہ ہر وقت انسان کو نقصان پہنچانے کیلئے کوشش میں لگا رہتا ہے، چنانچہ شیطانی شر اور شیطانی چیلوں سے تحفظ اللہ کی پناہ سے ہی حاصل ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے مکمل ایک سورت شیطانی اور شیطانی چیلوں کے شر سے بچاؤ کیلئے نازل فرمائی۔ لہذا جو لوگ اخلاص کیساتھ اللہ کی پناہ حاصل کرتے اور اسی پر توکل کرتے ہیں شیطان اپنی کسی ہتھکنڈہ سے ان پر غالب نہیں آتا۔ وہ وساوس، مالی خسارے سے بچے رہتے ہیں۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کو روزانہ صبح تین بار پڑھنا معمول بنانا انتہائی مستحب عمل ہے اور یہ انسان کی مالی وروحانی، جسمانی، سماجی فتنوں کے خلاف موثر ڈھال ہے۔

انوارِ حدیث

گذشتہ سے پیوستہ

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے.........

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری استاذ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

اپنی ذریت کو مشرکین سے بچانے کا حکم

عن الضحاک بن مزاحم قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر ومن کان یؤمن باللہ ورسولہ فلا یُعَرِّضْ ذریتہ للمشرکین
(مصنف عبدالرزاق ۵/۲۸۴)۔

حضرت ضحاک ابن مزاحمؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے اور جس کا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہے وہ اپنی ذریت کو مشرکوں کی زد میں نہ لائے۔

اس حدیث کو امام عبدالرزاق صنعانی نے اپنی مشہور کتاب ''مصنَّف'' کی کتاب الجہاد، باب غزو البحر میں ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنی ذریت (بیوی، بچوں) کو ایسی جگہ نہ لے جائیں جہاں وہ مشرکین اور کفار کی طرف سے کسی مصیبت کا نشانہ بنے، مثلاً مجاہدین اپنے سب بیوی بچوں کو اپنے ساتھ جہاد میں نہ لے جائیں، اسی طرح مرابطین (اسلامی سرحدوں کے محافظین) غیر محفوظ سرحد پر اپنی ذریت کو لے جا کر مقیم نہ ہوں کیوں کہ ایسی صورت میں دشمن کے حملہ آور ہو کر اور غلبہ پا کر مسلمانوں کی ذریتوں کو نقصان پہونچانے اور ان کو قتل کرنے یا ان کو قیدی بنا لینے کا اندیشہ ہے اور اپنی عورتوں، بچوں کو ایسے خطرات سے دوچار کرنا درست نہیں۔

اسی طرح ایسے ساحلِ سمندر پر بیوی بچوں کو لے جا کر مقیم نہ ہو جہاں دشمنوں کے حملہ کا خطرہ ہو، حضرت عمرؓ اس سے منع فرمایا کرتے تھے، قال عمر: لا تُنزِلوا المسلمین ضَفَّةَ البحر۔

امام احمد سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ اس شخص کے متعلق گناہ کا اندیشہ کرتے ہیں جو اپنے اہل وعیال کو منتقل کر کے سرحد پر لے جائے؟ فرمایا: کیوں کر گناہ کا اندیشہ نہ کروں جب کہ وہ اپنی ذریت کو مشرکین کا نشانہ بننے کے لئے لے کر جارہا ہے۔

اور انھوں نے مزید فرمایا: کہ میں آج سے پہلے اہل وعیال کو ملک شام لے جانے کا حکم دیا کرتا تھا اور اب میں اس سے منع کرتا ہوں، کیوں کہ معاملہ قریب آچکا ہے اور ان لوگوں کی ضرور جنگ ہوگی (احادیث کے اندر شام میں لڑائیوں کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے) عرض کیا گیا کہ وہ جنگ تو آخری زمانے میں ہوگی، تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ آخری زمانہ ہے۔

پھر ان سے عرض کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرمایا کرتے تھے اور جس کا نام قرعہ میں آتا تھا اس کو جنگ میں اپنے ساتھ لے جاتے؟ تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ یہ ایک کے لئے ہے وہ ذریت (سب بال بچے) نہیں ہے۔

غیر محفوظ سرحد پر بیوی بچوں کو لے جا کر مقیم ہونے کی یہ ممانعت ان لوگوں کے لئے ہے جن کے بیوی بچے محفوظ اسلامی شہروں میں آباد ہیں، اور سرحدی علاقے میں آباد لوگوں اور وہاں کے باشندوں کے لئے یہ ممانعت نہیں ہے کیوں کہ اگر انھیں بھی بیوی بچوں کے ساتھ وہاں رہنے سے منع کیا گیا تو سرحدیں ویران اور غیر آباد ہوجائیں گی۔

امام احمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ اگر مرابط (سرحدی محافظ) وہیں شادی کرلے تو کیا حکم ہے؟ تو فرمایا کہ بیوی بچوں کو وہاں لے جانے کے مقابلے میں وہیں شادی کرلینا اہون (ہلکا اور آسان) ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ۲/۲۷۷، ۲۲، مسائل الامام احمد روایۃ أبی داود ص: ۳۰۹)

یہاں اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ جب ذریت کے جانی اور جسمانی نقصان اور خطرے کی وجہ سے مشرکوں سے دور رکھنے کا حکم دیا جارہا ہے تو جہاں ذریت کے ایمان کا خطرہ ہو جو یقیناً جسمانی نقصان سے بڑھ کر ہے وہاں ذریت کو کافروں اور مشرکوں کے حوالے کیسے کیا جاسکتا ہے؟

علماء اور عوام کے درمیان ربط و تعلق
وقت کی اہم ضرورت

مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی
وادیِ مصطفی، شاہین نگر، حیدرآباد

اس عمومی دین بیزاری کے دور میں جب کہ ہر سَمت اسبابِ ضلالت وگمراہی کی بہتات اور روزافزونی ہے، سادہ لوح معصوم عوام کو غیر شعوری طور پر اسلامی تعلیمات اور راہِ حق سے برگشتہ کرنے اور انھیں غلط کاری، بے راہ روی اور گمراہی میں مبتلا کرنے کے لیے ہر طرح کے حربے اختیار کیے جارہے ہیں، ملمع سازی اور ظاہری رعب داب کا سہارا لے کر عوام کو رجھایا اور لبھایا جارہا ہے، زہر کو تریاق بنا کر پیش کیا جارہا ہے، عوام اپنے بھولے پن، سادگی وسادہ لوحی میں ظاہری چمک دمک، دلربا دلفریب تزئین وآرائش سے مرعوب ہو کر عواقب ونتائج سے لاپروا، اس زہر کا بے محابا استعمال کررہی ہے، منزل کی تلاش میں غیر ارادی طور پر اس کا ہر اُٹھنے والا قدم انھیں تباہی وبربادی کے گڑھے کی طرف لے جارہا ہے۔

اس وقت آپ چاروں طرف نظر دوڑا کر دیکھئے، ہر سَمت آپ کو مختلف گمراہ کن تحریکوں اور تنظیموں کا جال بچھا ہوا نظر آئے گا، مسلمانوں کو دین وایمان سے برگشتہ اور اسلام کے ساتھ ان کے ربط وتعلق کو کمزور کرنے کی جہد وجہد اور کوششیں ہر طرف دکھائی دیں گی، اس الحاد ولادینی، مذہب بیزاری اور خدا ناشناسی کی اس عمومی فضا کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ شیطان نے بندوں کی گمراہی اور ان کو غلطیوں میں مبتلا کرنے کا جو عہد وپیمان باری تعالیٰ سے کیا تھا، اس نے گویا اس وعدے کی تکمیل کے لیے کمر کس لی ہے، اور اپنے اس کام کی تکمیل کے لیے بطورِ عملہ اور کارکنان کے ان بدقُماش اور بے دین فرقوں اور جماعتوں کو سرگرم کردیا ہے، دشمنوں کی اس ساری جدوجہد،

سعی وعمل اور نقل وحرکت کا مقصد یہ ہے مسلمانوں کے پاس ان کی وہ قیمتی دولت نہ رہے، ایمان وایقان کی اس عظیم ثروت سے محروم ہو جائیں، جس کے بل بوتے پر وہ ہر کام کر گزرنے کی صلاحیت وصلابت اپنے اندر رکھتے ہیں، یقین کی اس کیفیت ولذت سے وہ تہی دست ہوجائیں جس کے سہارے وہ اپنے کھوئے ہوئے وقار اور اپنی عظمتِ رفتہ کے نقوش دوبارہ بحال کر سکتے ہیں، اور اپنے اکابر واسلاف کی یادوں اور عہدِ ماضی کے مظاہر واثرات کو دوبارہ زندہ وتابندہ کر سکتے ہیں، کرسی واقتدار کی زِمام اپنے ہاتھ میں لے کر ان ظاہر پرست، محسوسات ومشاہدات کے خوگر دولتِ یقین سے محروم، نفسانیت کے پجاریوں اور خواہشات کے اسیروں پر لگام کس سکتے ہیں، جس کی واضح مثالیں حیاتِ صحابہ اور بعد کے دور میں اکابرینِ امت کی زندگی میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

عیسائی مشنریز اور قادیانیت کی جدوجہد، دیہاتوں اور مسلم بستیوں میں ان کی تبلیغی وتبشیری سرگرمیوں کا مقصد یہ ہے کہ سادہ لوح مسلم عوام کو ان کی غربت وبے روزگاری، مفلسی وبدحالی، زندگی میں درپیش دیگر مسائل اور کمزوریوں کا سہارا لے کر ان کے مسائل کے حل اور ضروریات کی تکمیل کے نام پر ان کے ایمان کی یہ مایہ ان سے چھین لی جائے اور انھیں یقین کی اس چاشنی اور دولت سے محروم کیا جائے جو قرآن کے ارشاد کے مطابق ان کی سربلندی وسرفرازی کی اصل ضامن ہے۔

بعض ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ یہ یورپین اسلامی طرز، بودوباش، لباس وخراش اور حقیقی ایمانی واسلامی زندگی، روئے زمین پر اس کے نفوذ واثرات اور غلبہ واقتدار سے اس قدر خائف ہیں کہ مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ، اس کی تحریف شدہ، اصل شکل وصورت سے بگڑی ہوئی، خود ساختہ، نفسانیت وحیوانیت، عریانیت وفحاشیت کی طرف دعوت دینے والی تعلیمات کو عام کرنے اور ساری دنیا کو اس کے نتائج بد اور بھیانک انجام سے دوچار کرنے کے لیے اپنی تنخواہ کا معمولی فیصد مختص کرتے ہیں؛ بلکہ ہر گورنمنٹ ملازم کی تنخواہ سے قانونی اور دستوری طور پر اس معینہ رقم کی کٹوتی ہوتی ہے، اگرچہ یہ رقم انفرادی طور پر بالکل حقیر ہوتی ہے؛ لیکن اس رقم کی مجموعی مقدار اس قدر زیادہ ہوجاتی ہے کہ وہ اس کے بل بوتے عیسائیت کے پرچار اور اپنے مذہب کے دائرہ کو وسیع

اور کشادہ کرنے کا کام بہ آسانی انجام دے سکتے ہیں، مُخربِ اخلاق، عریاں تصاویر، برہنہ فوٹوز پر مشتمل اخبارات ومیگزین کی اشاعت، اور اس کے ذریعے لوگوں کی ذہنیت کو مغربی تہذیب وثقافت کے رنگ میں رنگ دینا، اس کی کشش وجاذبیت اور س کی سحر انگیزی کا انھیں خوگر اور عادی بنا کر، وقتی لذت میں انھیں مبتلا کرکے، انجام کار سے بے خبر، حیوانیت ونفسانیت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان کا اسے گلے لگالینا، یہ تمام امور بھی ان کی اس تبلیغی مہم کا حصہ ہوتے ہیں۔

اس وقت خصوصاً دیہاتوں کی یہ صورتِ حال ہے آبادی کی آبادی، بستی کی بستی، عیسائیت کے دامِ مکر میں آکر ایمان واسلام سے ہاتھ دھو رہی ہے، چرچ کی حاضری اور عیسائیت کے قبول کرنے پر مختلف پُرکشش اسکیموں سے استفادہ اور زندگی کی اہم ضروریات جن میں مکان ودکان، کاروبار وطبی امداد کی فراہمی ان جیسے دیگر جاذبِ نظر بیش قیمت اور پُرتحیّر وعدوں کو دیکھ کر لوگ دھوکے سے عیسائیت قبول کر رہے ہیں۔

زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، اپنے پاس پڑوس کے ماحول پر نگاہ ڈالیے، ساری جدوجہد دن رات کی تگ ودو اور زندگی کی محنت کا خلاصہ یہ ہو گیا ہے کہ ایک بالشت پیٹ اور اس کی خواہشات کی تکمیل ہو جائے، خواہ اس کے لیے اسلامی اور انسانی حدود کو کیوں نہ پھلانگنا پڑے، اوَامرِ خداوندی اور ارشاداتِ ربانی کی خلاف ورزی کیوں نہ ہو، خدا کی ناراضگی اور خفگی کو دعوت کیوں نہ دی جائے، اس کے لیے خواہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ جیسے اہم اور بنیادی شرعی امور کیوں نہ چھوٹ جائیں؛ لیکن مادہ اور معدہ کی پرستش ضرور ہو، کسی خواہش کا گلا نہ گھٹے۔

ان بھیانک اور پرخطر احوال میں علماء اور عوام کے درمیان ربط وتعلق کی اہمیت کافی بڑھ جاتی ہے؛ چونکہ علماء انبیاء کے وارث اور امین ہوتے ہیں، نبی کے بعد نبوت کے کاز اور امت کی اصلاح کی ذمہ داری ان پر آن پڑتی ہے، اس لیے بے دینی اور لامذہبی کے اس دور میں عوام سے گھل مل کر ان میں ایمان واعمال کی اہمیت اور قدر کا احساس دلانا، احکامِ خداوندی سے اِعراض اور روگردانی والی زندگی کے نتائجِ بد سے آگاہ کرنا، اس زندگی کی

حقارت اور آخرت کی ابدُ الآباد اور لامتناہی زندگی اور وہاں کے حقیقی آرام وراحت کو بتلا کر انھیں اسلامی وایمانی زندگی کا خوگر اور عادی بنانا، یہ علماء کی ذمہ داری ہے، اگر اس راہ میں کچھ سننا پڑے تو اس پر صبر وتحمل سے کام لینا اور اس پر ثواب کا امیدوار ہونا، اگر اس دوران لوگوں سے خوشامد، منت وسماجت اور ان کے سامنے عاجزی کے اظہار کے مراحل سے گزرنا پڑے تو اس سے گریز نہ کرنا یہ تمام چیزیں منصبِ نبوت میں شامل ہیں۔

منصبِ نبوی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ عوام کی بے راہ روی بدچلنی اور گمراہی علماء کو بے چین اور بے کل کردے اور وہ اس وقت تک چین وسکون کی سانس نہ لیں؛ جب تک کہ امت کے بچاؤ کی ممکنہ تدابیر نہ اختیار کریں، علماء اور عوام کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے نبی اور امت کی مثال ہوتی ہے؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے لوگوں کی گمراہی اور غلط روی پر اصرار اور ان کو غلط راہ سے بچانے اور بھیانک انجام سے نجات دلانے میں اپنی انتھک کوشش اور جدوجہد کی مثال یوں بیان فرمائی ہے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمنے ارشاد فرمایا: میری اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی تو پتنگے اور پروانے اس میں گرنے لگے، اور وہ ان کو آگ سے ہٹانے لگا، میں بھی تمہاری کمروں کو پکڑ کر تمھیں جہنم کی آگ سے بچارہا ہوں؛ لیکن تم لوگ میرے ہاتھوں سے نکلے جارہے ہو یعنی جہنم کی آگ میں گرتے جارہے ہو۔ (مسلم : باب شفقۃ النبی، حدیث: ۲۲۸۵) علماء جو کہ منصبِ نبوت کے حامل ہیں، وہ بھی عوام کی گمراہی، دین سے دوری، اسلامی تعلیمات سے بیزاری پر ایسے ہی فکرمند ہوں اور ان کو تباہی وبربادی کی راہ سے بچانے کی ایسی ہی دھن سوار ہو جیسے کوئی اندھا شخص ہماری نگاہوں کے سامنے گڑھے میں گر رہا ہو تو ہر شخص جس میں انسانیت کا کچھ بھی مادہ ہے وہ دوڑ کر اسے بچانے اور ہلاکت سے نجات دلانے کے لیے کوشاں ہوتا ہے۔

موجودہ دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ علماء اور عوام کے درمیان بے گانگی ایک دوسرے

سے دوری اور وحشت وتنفر پیدا ہو گیا ہے، جو دراصل اس امت کی سب سے بڑی بدقسمتی اور اسلام کے مستقبل کے لیے بڑا خطرہ اور الحاد و بے دینی کا پیش خیمہ ثابت ہوا ہے، موجودہ دور کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ عوام اور علماء کے طبقے کے درمیان غلط فہمی کی بنیاد پر جو بُعد اور بے گانگی، ایک دوسرے سے وحشت وتنفر پیدا ہو گیا ہے، وہ دور ہو، پھر ان میں دوبارہ ربط وتعلق پیدا ہو اور وہ اسلام کے لیے تعاون واشتراکِ عمل سے کام کریں، ایک دوسرے کی تعظیم اور قدر کو جانیں اور ایک دوسرے کے محاسن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں، ایک اللہ والے نے علماء اور عوام کے درمیان ربط وتعلق کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کرتے ہوئے یوں فرمایا: علماء کا عوام کے ساتھ ربط قائم رہا تو یہ امت چلنے والی ہوگی اور علماء اس کو چلانے والے ہوں گے اور اگر چلنے والے نہ ہوں تو علم کا یہ چراغ ختم ہو جائے اور اس کی روشنی سے کسی کو فائدہ نہ ہوگا''

اس وقت لادینی تحریکات جس سُرعت وقوت کے ساتھ اُفقِ عالم پر پھیل رہی ہیں اور جو وسعت اختیار کر رہی ہیں، اس بے دینی کے سیلابِ بلاخیز پر اگر کوئی بند لگا سکتے ہیں اور اس کے خطرناک اور بھیانک اثرات کو روک سکتے ہیں تو وہ علماءِ دین ہیں؛ لیکن اس کے لیے انھیں عمومی دعوت، عمومی تعلیم وتربیت اور عمومی نقل وحرکت اور جدوجہد کی راہ اپنانا ہوگا اور عوام سے گھل مل کر حتی الامکان ان کے مسائل سے واقفیت اور ان کے حل کی حتی المقدور کوشش اور ان کی ضروریات کی تکمیل کے امکانات پیدا کرنا، ان کے درمیان رہ کر ان سے براہِ راست ربط وتعلق قائم کر کے ان کو بیرونی خطرات سے محفوظ کرنا ہوگا، اللہ عزوجل توفیقِ ارزانی عطا کرے۔

عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک

مولانا ندیم احمد انصاری

ڈائریکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانے، علاقے اور معاشرے میں تشریف لائے، وہاں عورتوں سے حسنِ سلوک تو دور کی بات ہے، ان کی انسانی حیثیت بھی موضوعِ بحث بنی ہوئی تھی، آپ نے اس ماحول و معاشرے میں عورت کو عدل و انصاف کے ساتھ وہ تمام حقوق عنایت فرمائے، جن کی وہ مستحق تھیں۔ آپ نے خود بھی ہمیشہ صنفِ نازک کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کیا اور دوسروں کو بھی اس جانب توجہ دلائی، یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے بھی آپ کو لوگوں کی طرف سے اس جانب بے اعتدالی کا خوف ستاتا رہا۔ آپ نے کس طرح اور کس درجے اس کمزور طبقے کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کیا، اس کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اولاً آپ کی بعثت سے قبل معاشرے میں ان کی حالت پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

رحمۃ للعالمینؐ کی آمد سے قبل عورتوں کی حالت نہایت خراب تھی، موروث کے متروکے میں سے ان کو کچھ نہیں ملتا تھا، لڑائیوں میں مفتوحہ قبیلے کی عورتیں عین میدانِ جنگ میں فاتحین کے تصرف میں آجاتیں، طلاق کے لیے کوئی مدت اور عدت نہ تھی، یعنی جب تک شوہر چاہے عورت نہ شوہر کے پاس رہ سکتی تھی، نہ کسی اور سے شادی کر سکتی تھی، عورت کا جو مہر مقرر ہوتا وہ باپ کو ملتا، عورت کو اس سے سروکار نہ ہوتا۔ باپ مر جاتا تو اس کی کل بیویاں (بجز حقیقی ماں کے) تصرف میں آتیں یعنی عورت بیوہ ہونے کے بعد اپنے شوہر کے وارثوں کی مِلک سمجھی جاتی، وہ اگر آ کر بیوہ پر چادر ڈال دیتا تو وہ اس کی جائز مدخولہ بن جاتی۔ عورت جب بیوہ ہو جاتی تو اسے گھر سے باہر ایک نہایت تنگ کوٹھری رہنے کو اور خراب سے خراب کپڑے پہننے کو دیے جاتے، خوش بو وغیرہ

قسم کی کوئی چیز استعمال نہ کرسکتی، اس حالت کے ساتھ جب پورا سال گزر جاتا تو ایک بکری یا گدھا لاتے، اس سے وہ اپنے جسم کو مس کرتی، پھر کوٹھری سے باہر نکلتی اور اس کے ہاتھ میں مینگنی دی جاتی، وہ مینگنی کو پھینک دیتی، اس وقت سوگ سے نکل آتی اور قدیم حالت قائم ہوتی۔

غرض مجموعی حیثیت سے عورت بدترین مخلوق اور ہر قسم کے جبر وتعدی کا تختہ گاہِ مشق تھی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ جس گھر میں لڑکی پیدا ہوتی، اس کو سخت رنج ہوتا اور شرم کے مارے لوگوں میں چھپتا پھرتا، رفتہ رفتہ دختر کشی کی رسم جاری ہوگئی،لڑکی پیدا ہوتی تو اس کو میدان میں لے جاکر گڑھا کھودتے اور اس میں اسے زندہ گاڑ دیتے۔ ایک صاحب نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر ظاہر کیا تھا کہ انھوں نے اسلام سے قبل اپنے ہاتھ سے آٹھ لڑکیاں زندہ دفن کی تھیں۔ ایسے معاشرے کی اصلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے کی اور حجۃ الوداع کے موقع پر عورتوں کے حقوق کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: غور سے سن لو، میں تمھیں عورتوں کے حق میں بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں (ترمذی)

بحیثیت بیٹا

آج خود فیمنسٹ (Femenist) اور عورتوں کے حقوق کے لیے آواز اٹھانے والوں کے گھروں میں ان کی حقیقی ماں کی آواز دبا دی جاتی ہے اور ان کو سر ڈھکنے کے لیے چھت تک نصیب نہیں ہوتی؛ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو یہ تعلیم دی کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (ابن ماجہ) بلکہ آپ نے فرمایا: انسان کے حسنِ سلوک کی سب سے زیادہ مستحق اُس کی ماں ہے۔ (بخاری) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی والدہ کو تو زیادہ دن جینا نصیب نہیں ہوا، آپ چھ سال کے تھے کہ آمنہ خاتون نے اپنے خسر عبد المطلب سے چند روز کے لیے اپنے میکے قبیلۂ بنی نجار میں جانے کی اجازت لی اور ام ایمن کو مع آپ کے، ساتھ لے کر مدینے پہنچیں۔ وہ مدینے میں ایک ماہ ٹھہر کر مکّے واپس ہو رہی تھیں کہ راستے میں موضع ''ودّان'' کے قریب ''ابوا'' مقام میں راہیِ ملکِ بقا ہوکر وہیں مدفون ہوئیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی

دایہ ام ایمن مکّے لے کر آئیں۔ اس طرح آپ کو والدین کے کنارِ عاطفت میں، جو بچپن کے لیے ایک بڑی نعمت ہے، تربیت پانے کا اتفاق نہ ہوا۔ (تاریخِ اسلام عاشق) یہی وجہ ہے کہ ان کے ساتھ آپ کے واقعات دست یاب نہیں؛ البتہ آپ کی رضاعی مائیں متعدد ہیں اور آپ ان سب سے الفت ومحبت اور احترام سے پیش آتے تھے، خصوصاً حضرت حلیمہؓ کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا محبت تھی، عہدِ نبوت میں جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ''میری ماں، میری ماں'' کہہ کر ان سے لپٹ گئے۔ (سیرۃ النبی) ثُو یبہ کے لیے آپ خود مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ میں حُلّے اور کپڑے بھیجا کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ خیبر کے بعد فوت ہوگئیں۔ (مدارج النبوۃ)

بحیثیت بھائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والدین کی تنہا اولاد تھے، اس کے باوجود آپ نے بھائی بہن کے رشتے کی حقیقت کو خوب سمجھا اور اس پر لوگوں کو خوب توجہ دلائی، آپ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا رہے، وہ جنت کا حق دار ہوگا۔ (ترمذی) غزوۂ حنین میں حضرتِ شیما رضی اللہ عنہا، آپ کی رضاعی بہن قید ہو کر آئیں، آپ نے جب انھیں پہچان لیا تو فرطِ محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اُن کے بیٹھنے کے لیے خود مبارک چادر بچھائی، محبت کی باتیں کیں، چند شُتر اور بکریاں عنایت فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور اپنے گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ انھوں نے خاندان کی محبت کی وجہ سے وطن جانا چاہا؛ چناں چہ عزت واحترام کے ساتھ وہاں پہنچا دی گئیں۔ (سیرۃ النبی) یہی نہیں؛ بلکہ ان کی رعایت میں اس موقع پر قید ہو کر آئے چھ ہزار قیدیوں کو بھی آپ نے نہ صرف رہا کر دیا؛ بلکہ ان کے اموال بھی لوٹا دیے۔

بحیثیت شوہر

میاں بیوی کا رشتہ تو بڑا ضروری اور بڑا ہی عجیب ہوتا ہے کہ اکثر لوگ اس بابت افراط وتفریط میں مبتلا ہو جاتے ہیں، بعض بیوی کو پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں تو بعض غلام بنے نظر آتے ہیں، رحمۃ

للعالمینؐ نے اس سے متعلق بھی حکیمانہ اعتدال کی تعلیم دی ہے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شوہر کے ذمے عورت کے یہ حقوق ہیں کہ جو خود کھائے وہی اپنی بیوی کو کھلائے ،اپنے لیے کپڑے بنائے تو اس کے لیے بھی بنائے ،اس کے چہرے پر نہ مارے، اسے بُرا بھلا نہ کہے اور اسے بلا وجہ کہیں اکیلا نہ چھوڑے ؛مگر یہ کہ گھر میں ۔(مسند احمد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کی سہولت کی خاطر اپنے بہت سے کام از خود انجام دے لیا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ اپنے سر سے جوئیں نکال لیتے ،بکری کا دودھ دوہ لیتے ،اپنے کپڑے سی لیتے ،اپنے جوتے سی لیتے اور وہ اپنے بہت سے کام خود کرلیا کرتے تھے ۔آپ اپنے گھر میں کاموں میں لگے ہوتے ،جب نماز کا وقت ہوتا تو سب چھوڑ کر چلے جاتے ۔(ترمذی) آپ فرماتے تھے کہ عورتیں، شریف شوہروں پر غالب آجاتی ہیں اور کمینے شوہر بیویوں پر غالب آجاتے ہیں، میں پسند کرتا ہوں کے شریف وکریم رہوں (چاہے) مغلوب رہوں اور میں اسے پسند نہیں کرتا کہ کمینہ اور بد اخلاق ہو کر ان پر غالب آجاؤں ۔(روح المعانی) نیز آپ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے، جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرتا ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنی بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہوں ۔(ترمذی) بلکہ آپ نے اسے ایمان کے کامل ہونے کی نشانی قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ مومنوں میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے، جو اخلاق میں بہتر ہو اور تم میں بہتر لوگ وہ ہیں، جو اپنی بیویوں کے لیے بہتر ہوں ۔(ترمذی)

بحیثیت والد

زمانۂ جاہلیت میں مشرکین، عورت کو کسی رتبے اور مقام کا اہل نہ سمجھتے تھے ؛اس لیے وہ لڑکی پیدا ہونے پر غضب ناک ہوتے ؛ حالاں کہ وہ بھی یہ جانتے تھے کہ نظامِ کائنات کے تحت شادیوں کے لیے لڑکی کی پیدائش ضروری ہے، ایسے معاشرے میں جہاں بیٹی کی پیدائش کو ذلت ورسوائی تصور کیا جاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کو احترام وعزت کا مقام عطا کیا، آپ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی بہتر پرورش کرے، اور انھیں اپنی حیثیت

کے مطابق پہنائے ،تو یہ لڑکیاں اس کے لیے آگ سے حجاب ہوں گی۔(ابن ماجہ)ایک موقع پر فرمایا: جس شخص کے تین بیٹیاں ہوں، جن کے رہنے سہنے کا وہ انتظام کرتا ہو اور اُن کی تمام ضرورتیں پوری کرتا ہو اور اُن سے شفقت کا برتاؤ کرتا ہو تو یقیناًاس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ ایک شخص نے پوچھا :اگر دو ہی (بیٹیاں) ہوں تو؟ آپ نے فرمایا: خواہ دو ہی ہوں (ان سے حسنِ سلوک پر بھی یہی خوش خبری ہے)۔(ادب المفرد:۷۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹیوں‘ خصوصاً حضرت فاطمہؓ سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے، شاید یہی وجہ ہے کہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات واطوار کی جھلک نمایاں تھی،جیسا کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک روز حضرت فاطمہؓ آئیں،ان کی چال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال کی طرح تھی،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیٹی خوش آمدید!اس کے بعد آپ نے ان کو اپنی داہنی طرف یا اپنی بائیں طرف بٹھالیا، پھر آہستہ سے کوئی بات کہی،تو وہ رونے لگیں، میں نے ان سے پوچھا: تم روتی کیوں ہو؟ پھر ایک بات ان سے آپ نے آہستہ سے کہی تو وہ ہنسنے لگیں، میں نے کہا: آج کی طرح میں نے خوشی کو رنج سے اس قدر قریب نہیں دیکھا۔ میں نے دریافت کیا: حضور نے کیا فرمایا؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو افشا کرنا پسند نہیں کرتیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میں نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھا تو انھوں نے کہا: آپ نے پہلی مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام ہر سال مجھ سے ایک بار قرآن کا دَور کیا کرتے تھے،اس سال انھوں نے مجھ سے دو بار دور کیا ہے،اس سے میرا خیال ہے کہ میری موت کا وقت قریب آ گیا اور تم میرے تمام گھر والوں میں سب سے پہلے مجھ سے ملوگی تو یہ سن کر میں رونے لگی، پھر دوسری مرتبہ فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمام جنتی عورتوں کی یا تمام مومنات کی سردار ہو،اس وجہ سے مجھے ہنسی آ گئی۔(بخاری)اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کا اپنی صاحب زادی سے اور ان کا اپنے والد سے تعلقِ خاطر کا خوب اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کرنے کے تین کام

مولانا مدثر جمال تونسوی
جامعۃ الصابر و مرکز عثمان و علی رضی اللہ عنہما، بھاولپور

کامیابی اور ترقی کے لیے ہم میں سے ہر فرد کو تین کام اپنے اوپر لازم کر لینے چاہئیں۔

پہلا کام: روزانہ کچھ نہ کچھ علم حاصل کرنا، چاہے قرآن کی ایک آیت ہو، یا ایک حدیث ہو، ایک مسئلہ ہو، کوئی بھی صورت ہو، لیکن ہمارا کوئی بھی دن حصولِ علم سے خالی نہ رہے۔

نبی کریم ﷺ کا صاف صاف فرمان موجود ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا اِرادہ فرماتے ہیں، اسے دین کی سمجھ بوجھ عطاء کرتے ہیں'' (متفق علیہ)

اسی سے اندازہ لگائیں کہ اگر جو لوگ دین سمجھنے اور سمجھانے کے قریب نہیں جاتے تو کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ اُن لوگوں میں شامل کر دیے گئے ہوں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا ارادہ نہیں کیا، اور جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا اِرادہ نہ کیا ہو، تو وہ جتنے جتن کر لیں کبھی بھی بھلائی حاصل نہیں کر سکتے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق ساتھ دے، تو روزانہ کسی بھی وقت تنہائی میں بیٹھ کر روزمرہ کے دینی معاملات کے بارے سوچیں کہ مجھے کتنا علم ہے اور کتنا نہیں؟

مثال کے طور پر ہمیں ہر روز وضو کرنا اور نماز پڑھنا ہوتی ہے، تو ہم سوچیں کہ:

مجھے وضو اور طہارت کے بارے میں کتنا علم ہے؟

وضو کے لیے پانی ضروری ہے، تو کیا میں نے کبھی سوچا اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ کون کون سا پانی پاک ہوتا ہے اور کون کون سا پانی ناپاک؟

کس پانی سے وضو درست ہوتا ہے اور کس سے وضو درست نہیں ہوتا؟

کن چیزوں کا جھوٹا پانی پاک ہوتا ہے اور کن چیزوں کا جھوٹا پانی مکروہ ہوتا ہے اور کن چیزوں کا جھوٹا پانی حرام ہوتا ہے؟

آپ اندازہ لگائیں کہ حضرات فقہائے کرام ان مسائل کو کتنی اہمیت دیتے ہیں کہ تقریباً فقہ اور حدیث کی اکثر کتابوں میں سب سے پہلے یہی طہارت کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔ کیوں کہ شریعت میں سب سے اہم نماز ہے اور نماز کی بنیاد طہارت پر ہے، اس لیے سب سے مقدم نماز کو رکھتے ہیں اور نماز کی خاطر طہارت کو سب سے پہلے ذکر کرتے ہیں، اور اس کے ذیل میں تفصیل سے ان سوالات کے جوابات ذکر کرتے ہیں جن میں سے چند ابھی اوپر ذکر کیے گئے ہیں۔

اسی طرح نماز کے بارے میں خود سے سوال کریں کہ مجھے نماز کے بارے میں کتنا علم ہے؟

اذان اور اِقامت کے ضروری اَحکام مجھے معلوم ہیں؟

نماز کے اَوقات کی صحیح پہچان مجھے معلوم ہے؟

نماز کی شرائط اور فرائض مجھے یاد ہیں؟

نماز کے واجبات اور مکروہات مجھے یاد ہیں؟

نماز کی سنتیں اور آداب مجھے معلوم ہیں؟

نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے کیا وہ مجھے صحیح صحیح یاد ہے؟

الغرض کہ ہر روز اپنا آپ محاسبہ کریں۔ اپنے علم کا خود جائزہ لیں۔ خود سے ہی ضروری ضروری سوال کریں اور جن باتوں کا جواب معلوم ہو، تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اداء کریں اور جن باتوں کا علم نہ ہو تو اسی کو بنیاد بنا کر حصول علم شروع کر دیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں اُستاذ نے نصیحت کی تھی کہ روزانہ تین مسائل سے زیادہ مت پوچھا کرو، پھر امام صاحب تقریباً اٹھارہ سال استاذ کی خدمت میں رہے، اس سے اندازہ لگائیے کہ اگر امام صاحب روزانہ فقط تین مسائل ہی سیکھتے رہے ہوں تو اٹھارہ سال

میں کتنے مسائل انہیں معلوم ہو گئے ہوں گے؟ اس لیے ہمت کیجئے، ماحول کوئی بھی ہو، کیسا بھی ہو، حصولِ علم سے کبھی بھی غافل مت ہوں، ورنہ اللہ تعالیٰ بچائے، بہت بڑی خیر سے محرومی ہوگی۔

دوسرا کام: علم پر عمل کی مشق کیجیے، بعض اہل علم سے منقول ہے کہ عمل سے متعلق جو بھی علم کی بات سنیں تو زندگی میں کم از کم ایک بار ضرور اس پر عمل کریں، تا کہ آپ اس پر عمل کرنے میں کسی نہ کسی درجے میں ضرور شمار ہو جائیں۔ کیوں کہ اگر اس پر ایک بار بھی عمل نہ کیا تو اس کا وبال بہت سخت ہو سکتا ہے۔

علم کی اصل غایت عمل ہے، علم پر عمل نہ ہو تو وہ وبال بن جاتا ہے، اور اگر عمل کر لیا جائے تو دو فائدے یقینی ہو جاتے ہیں:

(۱) وہ علم پختہ ہو جاتا ہے۔ (۲) وہ علم وبال نہیں بنے گا۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ ''طلبہ علم'' کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آج کل طلبہ نے خیال کر رکھا ہے کہ درسیات سے فارغ ہو کر پھر عمل کا اہتمام کریں گے، یہ بالکل شیطانی وسوسہ ہے، جس کی وجہ سے عمر بھر بھی عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔ یاد رکھو! ہر چیز کا پہلی بار جو اثر ہوتا ہے وہ پھر نہیں ہوا کرتا۔ جب علم حاصل کرنے کے وقت کسی کام کا ثواب یا گناہ معلوم ہوتا ہے تو اس وقت دل پر ایک خاص اثر ہوتا ہے، اگر اس اثر سے اس وقت کام لیا گیا اور عمل کا اہتمام کر لیا گیا تب تو اثر آئندہ باقی رہتا ہے ورنہ پھر قلب سے زائل ہو جاتا ہے اور دوبارہ آسانی سے پیدا نہیں ہوتا'' (آداب المتعلمین)

تیسرا کام: اخلاص اور صدق نیت ہے۔ سچی نیت، اور اخلاص ہر عمل کی جان ہے، اس کے بغیر بڑے سے بڑا عمل بھی بے جان ہو جاتا ہے۔ جو علم اور عمل اخلاص سے خالی ہو، وہ نور اور برکت سے بھی خالی ہو جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کو عمل کا بدلہ اس کی نیت کے حساب سے ہی ملے گا، چنانچہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرتا ہے، تو اس کی ہجرت واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہی شمار ہوگی (جس پر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر بھی ملے گا اور اللہ کے رسول کی محبت اور قرب بھی ملے گا)، اور اگر کسی کا ہجرت کرنا دنیا پانے کے لیے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہے تو وہ اسی مقصد کے لیے ہجرت شمار ہوگی (جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر بھی نہ ملے گا اور اللہ کے رسول کی محبت اور قرب بھی نہ ملے گا)۔ (متفق علیہ)

کسی بھی نیک کام میں کوئی فاسد اور بُری نیت اور دُنیوی غرض ومفاد نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی، اُس کا قرب، اور اپنی آخرت سُدھارنے کے لیے وہ کام کیا جائے۔ اِنسان میں اِخلاص اور صدق نیت پیدا ہوجائے تو کئی باطنی اَمراض خود بخود زائل ہوجاتے ہیں۔

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے عمل اور تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں۔''

جب نیت میں سچائی اور اخلاص ہو تو پھر ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان دنیا میں اس کے فائدے پر نظر نہیں رکھتا۔ اگر دنیا میں آسائش مل رہی ہو وہ تب بھی اس عمل کو جاری رکھتا ہے اور اگر سختیوں اور آزمائشوں کا سامنا ہو تب بھی وہ اپنے عمل سے غافل نہیں ہوتا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم کی صحبت کی برکت کے ساتھ ساتھ اِخلاص اور نیت کی سچائی نے بلند ترین مقام تک پہنچایا۔ نیت میں سچائی اور اخلاص ہو تو کم دِکھنے والا عمل بھی کوئی گنا زیادہ طاقتور اور مؤثر بن جاتا ہے اور اگر نیت کی سچائی اور اخلاص نہ ہو تو ڈھیروں مال ودولت کی پشت پناہی کے باوجود وہ عمل بے اثر اور رائیگاں ہوجاتا ہے۔

اس لیے کوشش کریں کہ ان تین کاموں کو خود پر لازم کرلیں۔ ہر روز اس کا جائزہ لیں کہ ان تینوں کاموں پر کتنا عمل ہوا اور کتنا نہیں ہوا؟ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے امید ہے کہ اگر ہم یہ تین کام اپنی زندگی میں لازم کرلیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سی مہربانیاں ملیں گی اور کامیابی وکامرانی ہر چہار جانب سے آپ کو گھیر لے گی۔

ان تین کاموں کو ناممکن مت سمجھئے، ہمت کیجیے، ہمت سے یہ تینوں کام بہت ہی آسان ہوجائیں گے۔ ان شاء اللہ

کسرِ نفسی

مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوئے، حضرت مدنی رحمہ اللہ خود بیعت کرنے کے بجائے ان کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں لے گئے اور انہیں بیعت کرنے کے لیے سفارش فرمائی، مولانا دریا آبادی نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو پوری صورت حال بتائی کہ بیعت کے لیے جو بزرگ ہماری نظر میں ہیں، ان میں نمبر اول پر مولانا حسین احمد صاحب ہیں، اب آگے جناب کا جیسا ارشاد ہو۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

آپ کا انتخاب بالکل صحیح ہے، میں اس سے بالکل اتفاق کرتا ہوں، آپ مولانا حسین احمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کیجیے۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ نے فرمایا:

لیکن مجھ میں اس کی بالکل اہلیت نہیں اور جناب کے ہوتے ہوئے کسی اور کی طرف رخ کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا مگر مجھ پر تو آپ کو اعتماد ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ میں اہلیت ہے۔

کرکٹ : صرف کھیل تماشا یا کچھ اور بھی؟

عبدالرشید طلحہ نعمانی

دورحاضر میں کھیل کود معاشرے کا ایک اہم جز بن چکا ہے، جسے اب صرف کھیل کود نہیں؛ بلکہ ایک مستقل فن کی حیثیت حاصل ہے۔آج ہمارے ماحول میں قسم قسم کے کھیل رائج ہیں جسے لوگ سیر وتفریح اور دلچسپی کا ذریعہ تصور کرتے ہیں، کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے کھیل کود کو اپنا نصب العین اور مقصد زندگی بنالیا ہے؛ مگر بہ حیثیت مسلمان ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس بات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں کہ اسلام میں کھیل کی کیا حیثیت ہے؟ اس کے جواز کے کیا اصول ہیں؟ کس قسم کا کھیل اسلام میں جائز ہے اور کون کون سے کھیل ناجائز ہیں؟ کیونکہ انسانی زندگی کا اصل مقصد اطاعت خداوندی ہے، اللہ رب العزت نے انسان کو زمین پر خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے بھیجا، اسے اس زمین کی اصلاح کا حکم دیا اور اس کے لئے قواعد وضوابط متعین کیے، نیز اس کائنات میں اپنے فرامین واحکام کے نفاذ کا اسے ذمہ دار بنایا۔

جائز وناجائز کھیلوں کے تعلق سے اصولی طور پر حکم معلوم کرنے کے لیے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا یہ فتویٰ ہم سب کے لئے چشم کشا ہے، جسے ملحوظ خاطر رکھنا ازبس ضروری ہے، مفتی صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں:

(الف) وہ کھیل جس سے دینی یا دنیوی معتد بہا فائدہ مقصود نہ ہو وہ ناجائز ہے اور وہی (عدم جواز کی) حدیث کا مصداق ہے۔

(ب) جس کھیل سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ معتد بہا مقصود ہو، وہ جائز ہے۔بشرطیکہ اس میں کوئی امر خلافِ شرع ملا ہوا نہ ہو اور من جملہ امور خلاف شرع، تشبہ بالکفار (کفار کی نقالی) بھی ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ گیند کا کھیل، خواہ کرکٹ وغیرہ ہو، یا دوسرے دیسی کھیل، فی نفسہ جائز ہیں، کیوں کہ ان سے تفریح طبع اور ورزش وتقویت ہوتی ہے، جو دنیوی اہم فائدہ بھی ہے اور دینی فوائد کے لیے سبب بھی، لیکن شرط یہی ہے کہ یہ کھیل اس طرح پر ہوں کہ ان میں کوئی امر خلاف شرع اور تشبہ بالکفار نہ ہو، نہ ہی لباس کے طرز میں انگریزیت ہو اور نہ گھٹنے کھلے ہوں، نہ اپنے نہ دوسروں کے اور نہ اس طرح اشتغال ہو کہ ضروریاتِ اسلام نماز وغیرہ میں خلل آئے، اگر کوئی شخص ان شرائط کے ساتھ کرکٹ، ٹینس وغیرہ کھیل سکتا ہے، تو اس کے لیے جائز ہے، ورنہ نہیں، آج کل چوں کہ عموماً یہ شرائط موجودہ کھیل میں نہیں ہیں، اس لیے ناجائز کہا جاتا ہے (امداد المفتیین)

غور کیا جائے تو آج عالمی سطح پر کھیلے جانے والے تمام کھیل، صرف کھیل نہیں؛ بلکہ ایک وسیع کاروبار ہیں جسے حلت وحرمت، سود ورشوت، قمار وجوے کے امتیاز کے بغیر بے دریغ کھیلا جا رہا ہے، آج بہت سے لوگوں کا مشغلہ ہی کھیل اور کھلاڑی ہیں؛ حتیٰ کہ مسلمان جوانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ اپنی ہر ذمہ داری بھول کر کھیل اور کھلاڑیوں میں دلچسپی لے رہا ہے اور یہ وبا صرف اور صرف مردوں تک نہیں؛ بلکہ خواتین و بوڑھوں تک عام ہو چکی ہے۔

کرکٹ کے مضر اثرات، ماحول ومعاشرہ کو کس طرح ناکارہ کرتے ہیں اور ملک ووطن کے سرمایہ دارانہ نظام پر کتنا بر اثر ڈالتے ہیں اس کی سرسری رپورٹ پیش کرتے ہوئے حکیم محمد ادریس حبان رحیمی فرماتے ہیں کہ:

کرکٹ پر اسی (۸۰) ارب ڈالر سالانہ خرچ ہوتے ہیں، ٹی، وی، چینلز پر سال بھر میں بارہ لاکھ گھنٹے یہ کھیل دکھایا جاتا ہے، اس وقت دنیا کے سترہ کروڑ لوگ یہ کھیل کھیل رہے ہیں، دنیا میں کرکٹ انڈسٹری کی مالیت گندم کے بجٹ کے برابر ہے، ایک اندازے کے مطابق ایک ورلڈ کپ پر جتنی رقم خرچ کی جاتی ہے اگر وہ مریضوں پر خرچ کی جائے تو دنیا کے تمام مریضوں کو ڈاکٹر، نرس اور دوائیں مفت مل سکتی ہیں ایک ورلڈ کپ کے خرچ سے پوری دنیا میں اسکول کھولے جا سکتے ہیں، صحرائے عرب کو کاشتکاری کے قابل بنایا جا سکتا ہے چار ورلڈ کپ کے دوران جتنی رقم

مشروبات، برگروں اور ہوٹلوں پر خرچ کی جاتی ہے اس رقم سے چالیس کینسر کے اسپتال بنائے جاسکتے ہیں، دنیا کے ایک تہائی بھوکوں کو خوراک دی جاسکتی ہے، پاکستان جیسے چار ملکوں کو قرضے سے پاک کیا جاسکتا ہے، ورلڈ کپ میں جتنی بجلی خرچ ہوتی ہے وہ دنیا کے سب سے زیادہ آبادی والے چین جیسے ملک کی چھ ماہ کی برقی ضرورت پوری کرسکتی ہے، ورلڈ کپ پر جتنا کچرا پیدا ہوتا ہے اتنا تیس ملک مل کر پورے سال پیدا نہیں کرتے، ورلڈ کپ کے موقع پر جتنی شراب پی جاتی ہے وہ پورا برطانیہ مل کر پورے سال نہیں پیتا، اس پر جتنا عام شہریوں کا وقت ضائع ہوتا ہے اگر آدھی دنیا پورا مہینہ چھٹی کرے تو بھی اتنا ضائع نہیں ہوگا۔(ملخص از گناہوں کے انبار)

کرکٹ کے دینی ودنیوی نقصانات:

کرکٹ جس کا جنون اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ نوجوانوں کی غالب اکثریت اپنی زندگی کے قیمتی اوقات اور اصل سرمایہ اسی میں ضائع کرتی جارہی ہے، انہیں سود وزیاں کا کوئی احساس نہیں، نفع ونقصان کا کوئی شعور نہیں، روشن مستقبل کے لیے کوئی تیاری نہیں، کچھ افراد ریڈیو پر کمنٹری سننے میں مصروف ہیں، کچھ اپنے موبائل پر کرکٹ اسکور کا ایس ایم ایس جاری کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اور بعض تو ٹی وی پر لائیو کرکٹ میچ دیکھنے کو بڑا کارنامہ سمجھ رہے ہیں؛ حالاں کہ یہ بے شمار مُنکَرات ومفاسد اور برائیوں پر مشتمل ہے، مثلاً؛(1) نیم عُریاں عورتوں کا اسکرین پر دکھائی دینا۔(2) اُس میں مشغولیت کی وجہ سے نماز باجماعت کا فوت یا قضا ہوجانا۔(3) ملازمین کے فرائض وواجبات میں کوتاہی وخلل کا واقع ہونا۔(4) مدارس، اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں طلبا واسٹوڈینٹس کی تعلیم کا متأثر ہونا۔(5) نیز مدارس ومساجد جو پڑھنے لکھنے اور عبادت کی جگہیں ہیں، اُن میں اِسی عنوان پر گُفت وشُنید، بحث ومُباحَثہ اور تذکرہ وتبصرہ کا ہونا۔(6) کھیل کے دنوں میں سرکاری ونیم سرکاری، شخصی ونجی اداروں کا معَطَّل ہوکررہ جانا، وغیرہ، یہ سب ناجائز اُمور ہیں۔اور ہر ایسا کھیل کھیلنا ودیکھنا، جو انسان کو اُس پر واجب حقوق (خواہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد) سے غافل کردے، یا اس کے نقصانات اس کے فوائد سے زیادہ ہوں، ناجائز ومکروہِ تحریمی ہے، شریعتِ اسلامیہ اپنے ماننے والوں

کواس طرح کا کھیل کھیلنے و دیکھنے سے منع کرتی ہے۔ لہٰذا کرکٹ کھیلنا، کھلانا، میدان یا ٹی وی پر دیکھنا دکھانا، اسی طرح ریڈیو پر اس کی کمنٹری سننا سنانا، موبائل پر کرکٹ اسکور کا ایس ایم ایس منگوانا، یہ سب معصیت اور گناہ کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کرنا، اور زندگی کے قیمتی اوقات کو ضائع کرنا ہے، اور یہ دونوں چیزیں شرعاً حرام ہیں۔ (المسائل المہمۃ فیما ابتلت بہ العامۃ)

کرکٹ کے عام میچ ہی مذکورہ بالا معاصی کے علاوہ جوے اور سٹے کو فروغ دینے کے لئے کیا کم تھے کہ آئی پی ایل نے بڑے پیمانے پر قمار بازی کی سطح میں کئی گنا اضافہ کردیا، ہر دن مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعہ یہ خبریں پڑھنے اور سننے کو ملتی رہتی ہیں کہ سٹے بازی کے جرم میں فلاں کو گرفتار کیا گیا، فلاں پر جرمانہ عائد کیا گیا، فلاں مقام پر دھاوا بولا گیا۔ وغیرہ

نہایت افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد بھی اسی کبیرہ گناہ کی مرتکب اور اس ناجائز عمل کی شوقین نظر آرہی ہے؛ جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوئے کے تیر یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں، لہذا ان سے بچو، تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم (ان چیزوں سے) باز آجاؤ گے؟ (سورۃ المائدۃ)

ان کے علاوہ کچھ نقصانات تو ایسے ہیں کہ جن کا موازنہ مال و دولت سے کیا ہی نہیں جا سکتا جیسے پاک نسلوں کی تباہی، سستی، بے راہ روی، ثقافت وتمدن کی پسماندگی، احساسات کی موت، گھروں کی تباہی، آرزوؤں کی بربادی اور صاحبانِ فکر افراد کی دماغی صلاحیتوں کا فقدان، یہ وہ نقصانات ہیں جن کی تلافی روپے پیسے سے کسی صورت ممکن ہی نہیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری انسانیت کو عقلِ سلیم اور فہم مستقیم عطا فرمائے اور اعتدال کے ساتھ زندگی گزارنے والا بنائے۔ آمین

جمہوری نظام میں الیکشن — اسلامی نقطۂ نظر

مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی
مدرسہ بدرالاسلام، بیگوسرائے بہار

آزادی، انسان کے لیے ایک قیمتی نعمت اور بیش بہا سرمایہ ہے، ہر انسان رحمِ مادر سے آزاد پیدا ہوتا ہے؛ اسی لیے آزادی اس کی شرست میں داخل ہے، آزادی کا احساس انسان کے اندر خودداری وخوداعتمادی اور اپنے آپ کی تکمیل وتعمیر کے جذبات پیدا کرتا ہے؛ لیکن جب آزادی کا یہ احساس ایک حد سے بڑھ جاتا ہے، یا اس احساس کو کچلنے کی کوشش کی جاتی ہے اور انسان کی آزادی خطرے میں پڑ جاتی ہے؛ تو انسان میں بغاوت، حیوانیت، خودسری جیسے اوصاف پروان چڑھنے لگتے ہیں اور وہ اپنے دائرہ سے بڑھ کر دوسروں کی آزادی کو پائمال کرنے لگتا ہے، پھر جب ایسے انسانوں کی معاشرہ میں کثرت ہوتی ہے؛ تو انتشار، آپسی ٹکراؤ اور انارکی کے حالات پیدا ہوتے ہیں اور کبھی کُشت وخون کے بھیانک مناظر بھی سامنے آتے ہیں؛ لیکن چوں کہ انسان مدنی الطبع بھی ہے؛ اس لیے ابتدائے آفرینش سے انسان اپنی پیدائشی آزادی کے باوجود ایک نظام کی تابعداری کرکے اور ایک حکمراں کی ماتحتی قبول کرکے زندگی گذارنے کا عادی رہا ہے، ایک نظام حکومت سے وابستہ ہوکر وہ دشمنوں سے اپنے مفادات کا تحفظ کرتا ہے، اور آپس میں بقائے باہم کے اصول پر کاربند ہوکر پرامن زندگی گذارتا ہے۔

حکم رانی کے الگ الگ طریقے الگ الگ زمانے میں رائج رہے ہیں، کبھی شخصی حکومت رہی، تو کبھی خاندانی حکومت، کبھی استبدادی نظام رہا، تو کبھی عوامی نظام، تاریخ کے زیادہ تر مراحل میں ایسی حکومتوں کا غلبہ رہا جن کے حکمراں زمامِ اقتدار سنبھالتے ہی خدائی کے دعویدار بن بیٹھے اور محکوم عوام کو اپنا غلام بنا کر ان سے اپنی بندگی کروانے لگے۔

دنیا صدیوں تک اسلامی نظامِ خلافت اور اس کی رحمت و برکت سے مستفید ہوتی رہی ؛ لیکن جب اپنی بداعمالیوں اور دشمن کی سازشوں کی وجہ سے نظام خلافت کا بالکلیہ خاتمہ ہوگیا؛ تو دنیا میں ایک ایسے طریقہ حکم رانی کو رواج ملا، جسے ''جمہوریت'' کہتے ہیں، جمہوری نظام حکومت اپنے اندر خوبیاں بھی رکھتی ہیں اور اس میں خرابیاں بھی ہیں ،اس کی بعض نمایاں خرابیوں کی طرف اشارہ علامہ اقبال کے اس شعر میں بھی موجود ہے:

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

جمہوریت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں اکثریت پر مبنی فیصلے ہوتے ہیں اگرچہ اکثریت اور تعداد پر فیصلہ اسلامی نقطۂ نظر سے بھی ہر جگہ مذموم نہیں ہے، بسا اوقات اکثریت ہی میں قوت رائے مضمر ہوتی ہے۔

اپنی خوبی اور خامی سے قطعِ نظر حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت انتہائی تیزی کے ساتھ پوری دنیا میں رواج پا چکی ہے اور اس کی مختلف شکلیں تقریبا دنیا بھر میں مروج ہیں، بعض اسلامی اصول سے نسبتاً ہم آہنگ ہیں اور بعض متصادم، اس میں مختلف طرزِ حکومت کو سمو لینے کی گنجائش ہے، بعض اسلامی ممالک میں اسلامی جمہوریت کا بھی تجربہ کیا جارہا ہے، جمہوری حکومتوں کی بنیاد عوام کے ذریعہ منتخب ہونے والی حکومت پر ہوتی ہے؛ اس لیے الیکشن درحقیقت جمہوری ممالک کے لیے بہت ہی خاص موقع ہوتا ہے؛ چوں کہ الیکشن کے عمل کا سارا دارومدار ووٹ پر ہوتا ہے؛ اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ووٹ (vote) انگریزی زبان کا لفظ ہے، اس کا عربی متبادل ''انتخاب اور تصویت'' ہے، جب کہ اس کا اردو متبادل ہے ''نمائندہ چننا، حق رائے دہی کا استعمال کرنا''، جمہوری ممالک

میں پارلیمنٹ اسمبلی، کونسل، بلدیہ یا اس جیسے اداروں کے لیے عوام کے ذریعہ نمائندہ چننے کا عمل ووٹ پر منحصر ہوتا ہے؛ چوں یہ کہ اصطلاح مستحدث اور نئی ہے، حکومت سازی کے لیے انجام دیا جانے والا یہ عمل چوں کہ عہد سلف میں موجود نہیں تھا؛ اس لیے اس کا استعمال قرآن وحدیث میں نہیں ہوا ہے؛ لیکن معنوی اور اصولی طور پر اس کے لیے ذخیرۂ شریعت میں ہدایتیں موجود ہیں۔

شرعی نقطۂ نظر سے ووٹ کی متعدد حیثیتیں ہو سکتی ہیں

(۱) شہادت: شہادت کا مفہوم ہے عینی مشاہدہ یا بصیرت کی بنیاد پر کسی چیز کے برحق ہونے کی گواہی دینا، ایک لحاظ سے ووٹ کی حیثیت عرفی شہادت اور گواہی کی ہے؛ اس لیے کہ ووٹر ووٹنگ یا حق رائے دہی کے استعمال کے وقت یہ سمجھتا ہے کہ فلاں امیدوار اس عہدہ کے لائق ہے؛ جس کے لیے اس نے اپنے آپ کو پیش کیا ہے یا پارٹی کی طرف سے اسے امیدوار نام زد کیا گیا ہے، اور وہ پوری دیانت داری کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے سکتا ہے، وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ امیدوار اس مقصد کے لیے موزون اور ''قوی وامین'' ہے، چاہے وہ دوسرے کاموں کے لیے موزوں نہ ہو۔

(۲) سفارش: ووٹ کی ایک حیثیت سفارش کی بھی ہے، گویا کہ ووٹر کسی متعین امیدوار کے سلسلہ میں مجاز اتھارٹی سے یہ سفارش کرتا ہے کہ وہ ممبر پارلیمنٹ یا ممبر اسمبلی بننے کے لائق اور اہل ہے اور وہ اس عہدہ کی اور منصب کی ذمہ داریوں کو بہتر طور پر انجام دے سکتا ہے؛ لہٰذا میں اس کے انتخاب کی سفارش کرتا ہوں۔

شفارش کے بارے میں قرآن کریم کا حکم یہ ہے: مَنْ یَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَکُنْ لَہ نَصِیبٌ مِنْھَا وَمَنْ یَشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِئَةً یَکُنْ لَہ کِفْلٌ مِنْھَا وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ مُقِیتاً (النساء: ۸۵) یعنی جو شخص اچھی بات کی سفارش کرے گا اس کے لیے اس کے اجر میں سے ایک حصہ ہوگا اور جو بری بات کی سفارش کرے گا اس کے لیے بھی اس کے گناہ کا کچھ بوجھ ہوگا اور اللہ ہر چیز پر

قدرت رکھنے والے ہیں۔

لہٰذا رائے دہندگان اگر اچھے امیدوار کا انتخاب کریں گے تو یہ عمل ان کے لیے باعثِ اجر ہوگا اور اگر غلط امیدوار کا انتخاب کریں گے تو باعثِ مواخذہ ہوگا۔

(۳) وکالت: وکالت کا مفہوم ہے کسی مخصوص کام کے لیے کسی انسان کو اپنا نمائندہ اور نائب چننا۔ ووٹ کی ایک حیثیت وکالت کی بھی ہے، گویا ووٹ دینے والا حقِ رائے دہی کا استعمال کر کے درحقیقت اس حلقہ کے کسی امیدوار کو سیاسی امور، کارِحکومت کی انجام دہی، یا پارلیمنٹ کی تشکیل اور وزیر کے انتخاب کے لیے اپنا وکیل اور نمائندہ منتخب کرتا ہے؛ اس اعتبار سے اگر ووٹر نے سیاسی امور کی انجام دہی کے لیے کسی نااہل امیدوار کو کامیاب بنا دیا اور جیتنے کے بعد اس شخص نے قوم وملت کے حقوق کو پامال کیا اور ظلم وزیادتی کو راہ دی؛ تو ووٹر بھی اپنے رول کی حد تک اس کے گناہ میں شریک ہوں گے، اور اگر اچھے کام کیے؛ تو اس کی نیکیوں میں شریک ہوں گے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ووٹ کے اندر چاروں مفہوم ہونے کے باوجود اس پر شہادت کا مفہوم غالب ہے؛ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت کی ہے۔

ووٹ دینے کا شرعی حکم:

ہندوستان کے آئین نے یہاں کے ہر شہری کو ووٹ دینے اور امیدوار بننے اور دیگر انتخابی عمل میں شرکت کا حق دیا ہے۔ (بھارت کا آئین ص ۸۰) اب مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان کے ایک شہری کی حیثیت سے انتخابی عمل میں شرکت کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ووٹ دینا اور دوسرے انتخابی عمل میں شرکت کرنے کا حکم حالات اور موقع ومحل کے لحاظ مختلف ہے، بعض حالات میں انتخابی عمل میں شرکت کرنا اور ووٹ ڈالنا محض جائز ہوتا ہے اور کبھی مستحب اور واجب ہوتا ہے، ہندوستان میں موجودہ حالات میں الیکشن میں شرکت کرنا واجب لغیرہ ہے، اور دنیا کے جن ممالک کے احوال ہندوستان سے مشابہہ ہوں؛ ان ممالک میں بھی الیکشن

میں شرکت کرنا واجب لغیرہ ہوگا، یعنی فی نفسہ ووٹ دینا واجب نہیں ہے؛ لیکن جن امور کا انجام دینا شریعت نے واجب قرار دیا ہے وہ ووٹ پر موقوف ہیں، مشہور قاعدہ ہے: مَا لاَ یَتِمُّ الْوَاجِبُ الاَّ بِہ فَھُوَ وَاجِب (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۹۱) یعنی واجب کی تکمیل جس چیز پر موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔

ہندوستان کا پس منظر:

اس پس منظر میں اگر ہندوستان کی صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے؛ تو معلوم ہوگا کہ یہاں حکومت کی بنیاد الیکشن پر ہے اور الیکشن میں فتحیاب افراد سے پارلیمنٹ کی تشکیل ہوتی ہے اور حکومت سازی وہ پارٹی کرتی ہے جسے معمولی اکثریت یعنی کم از کم نصف سے زائد کم از کم ایک ممبر کی تائید حاصل ہو، جس طرح امیدواروں کی جیت بسا اوقات چند ووٹوں کے فرق سے ہوتی ہے؛ اسی طرح حکومت کا بننا اور بگڑنا بھی محض ایک ووٹ سے ہوتا ہے اور پارلیمنٹ میں محض ایک ووٹ کا فرق پوری حکومت کی فتح یا شکست کا ذریعہ بن جاتا ہے اور انجام کار کبھی ایسی نا پسندیدہ پارٹی یا افراد مسندِ اقتدار پر فائز ہوجاتے ہیں؛ جو مسلمانوں کے لیے سم قاتل کے مانند ہوتے ہیں، اور مناسب اور موزوں افراد مقابلہ میں پچھڑ جاتے ہیں، واقعات گواہ ہیں کہ ہندستان میں متعصب پارٹیوں کی گورنمنٹ محض چند ووٹوں کے فرق سے تختۂ اقتدار پر فائز ہوگئی اور اس نے ایسے فیصلے کیے جو آج بھی مسلمانوں کے لیے سوہانِ روح ہیں اور یہ حکومت کبھی گیارہ دن میں اور کبھی گیارہ مہینے میں چند ووٹوں کے ذریعہ گر بھی گئی، لہٰذا جمہوری ممالک میں الیکشن میں ووٹ ڈالنے کے عمل کو محض مباح نہیں؛ بلکہ واجب سے کم درجہ نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

ماہِ رمضان المبارک حصولِ تقویٰ کا بہترین ذریعہ

ابو جندل قاسمی
خادم تدریس مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفر نگر یوپی

رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کی آمد آمد ہے، یہ مہینہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑی عظیم نعمت ہے، اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انوار وبرکات کا خاص نزول ہوتا ہے، مگر ہم لوگ اس مبارک مہینے کی قدر ومنزلت سے واقف نہیں، اس مبارک مہینے کی قدردانی وہی لوگ کرتے ہیں جن کی فکر، آخرت کے لئے اور جن کا محور مابعد الموت ہو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ جب رجب کا مہینہ آتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وشَعْبَانَ وبَلِّغْنَا رَمَضَانَ، (شعب الایمان ۳/۳۷۵، تخصیص شہر رجب بالذکر) اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان کے مہینے میں برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان کے مہینے تک پہنچا دیجئے، یعنی ہماری عمر اتنی دراز کر دیجئے کہ ہمیں رمضان کا مہینہ نصیب ہو جائے۔

غور فرمائیں کہ رمضان المبارک آنے سے دو ماہ پہلے ہی رمضان کا انتظار اور اشتیاق ہو رہا ہے، اور اس کے حاصل ہونے کی دعا کی جارہی ہے، یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جس کے دل میں رمضان کی صحیح قدر وقیمت ہو۔

رمضان کے معنیٰ

''رمضان'' عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں ''جھلسا دینے والا''، اس مہینے کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ اسلام میں جب سب سے پہلے یہ مہینہ آیا تو سخت اور جھلسا دینے والی گرمی میں آیا تھا، لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ اس مہینے میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی خاص

رحمت سے روزے دار بندوں کے گناہوں کو جھلسا دیتے ہیں اور معاف فرما دیتے ہیں، اس لئے اس مہینے کو ''رمضان'' کہتے ہیں۔ (شرح ابی داؤد للعینیؒ ۵/ ۲۷۳)

اللہ تعالیٰ نے یہ مبارک مہینہ اس لئے عطا فرمایا کہ گیارہ مہینے انسان دنیا کے دھندوں میں منہمک رہتا ہے جس کی وجہ سے دلوں میں غفلت پیدا ہوجاتی ہے، روحانیت اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں کمی واقع ہوجاتی ہے، تو رمضان المبارک میں آدمی اللہ کی عبادت کرکے اس کمی کو دور کرسکتا ہے، دلوں کی غفلت اور زنگ کو ختم کرسکتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرکے زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوجائے، جس طرح کسی مشین کو کچھ عرصہ استعمال کرنے کے بعد اس کی سروِس اور صفائی کرانی پڑتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی صفائی اور سروِس کے لئے یہ مبارک مہینہ مقرر فرمایا۔

روزے کا مقصد

روزے کی ریاضت کا بھی خاص مقصد اور موضوع یہی ہے کہ اس کے ذریعے انسان کی حیوانیت اور بہیمیت کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور ایمانی وروحانی تقاضوں کی تابعداری وفرماں برداری کا خوگر بنایا جائے، اور اللہ کے احکام کے مقابلے میں نفس کی خواہشات اور پیٹ اور شہوتوں کے تقاضوں کو دبانے کی عادت ڈالی جائے، اور چوں کہ یہ چیز نبوت اور شریعت کے خاص مقاصد میں سے ہے اس لئے پہلی تمام شریعتوں میں بھی روزے کا حکم رہا ہے، اگرچہ روزوں کی مدت اور بعض دوسرے تفصیلی احکام میں ان امتوں کے خاص حالات اور ضروریات کے لحاظ سے کچھ فرق بھی تھا، قرآنِ کریم میں اس امت کو روزے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے: **يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** ۔(سورۃ البقرہ آیت ۱۸۳) اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے (روزوں کا یہ حکم تم کو اس لئے دیا گیا ہے) تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

یہ بات یقینی ہے کہ نفس انسانی انسان کو گناہ، نافرمانی اور حیوانی تقاضوں میں اسی وقت مبتلا کرتا ہے جب کہ وہ سیر اور چھکا ہوا ہو، اس کے برخلاف اگر بھوکا ہو تو وہ مضمحل پڑا رہتا ہے اور پھر اس کو معصیت کی نہیں سوجھتی، روزے کا مقصد یہی ہے کہ نفس کو بھوکا رکھ کر مادّی و شہوانی تقاضوں کو بروئے کار لانے سے اس کو روکا جائے تا کہ گناہ پر اقدام کرنے کا داعیہ اور جذبہ سُست پڑ جائے، اور یہی ''تقویٰ'' ہے

تقویٰ کے حصول میں معاون چیزیں

لیکن صرف روزہ رکھنے اور تراویح پڑھنے کی حد تک بات ختم نہیں ہوتی بلکہ اس ماہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ غفلت کے پردوں کو دل سے دور کیا جائے، اصل مقصد تخلیق کی طرف رجوع کیا جائے، گزشتہ گیارہ مہینوں میں جو گناہ ہوئے ان کو معاف کرا کر آئندہ گیارہ مہینوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کے استحضار اور آخرت میں جواب دہی کے احساس کے ساتھ گناہ نہ کرنے کا داعیہ اور جذبہ دل میں پیدا کیا جائے، جس کو ''تقویٰ'' کہا جاتا ہے۔ اس طرح رمضان المبارک کی صحیح روح اور اس کے انوار و برکات حاصل ہوں گے، ورنہ یہ ہوگا کہ رمضان المبارک آئے گا اور چلا جائے گا اور اس سے صحیح طور پر ہم فائدہ نہیں اٹھا پائیں گے، بلکہ جس طرح ہم پہلے خالی تھے ویسے ہی خالی رہ جائیں گے، اس لئے چند ایسی چیزوں کی نشاندہی کی جاتی ہے جن پر عمل کر کے ہمیں روزے کا مقصد (تقویٰ) اور رمضان المبارک کے انوار و برکات حاصل ہوں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۱) عبادت کی مقدار میں اضافہ

رمضان المبارک کی برکتوں کو حاصل کرنے کے لئے اپنی عبادت کی مقدار میں اضافہ کرنا ہے، دوسرے ایام میں جن نوافل کو پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی ان کو اس مبارک ماہ میں پڑھنے کی کوشش کریں، مثلاً: مغرب کے بعد سنّتوں سے الگ یا کم از کم سنّتوں کے ساتھ چھ (۶)

رکعت اوّابین پڑھیں۔عشاء کی نماز سے چند منٹ پہلے آکر چار رکعت یا دو رکعت نفل پڑھیں، سحری کھانے کے لئے اٹھنا ہی ہے تو چند منٹ پہلے اٹھ کر کم از کم چار رکعت تہجد پڑھ لیں، اسی طرح اشراق کی نماز، اور اگر اشراق کے وقت نیند کا غلبہ ہو تو چاشت کی چند رکعتیں تو پڑھ ہی لیں، ظہر کے بعد دو سنّتوں کے ساتھ دو رکعت نفل اور عصر سے پہلے چار رکعت نفل پڑھ لیں، کیوں کہ نماز کا خاصہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالی کے ساتھ انسان کا رشتہ جوڑتی ہے اور اس کے ساتھ تعلق قائم کراتی ہے، جس کے نتیجے میں انسان کو ہر وقت اللہ تعالی کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

(۲) تلاوتِ قرآنِ کریم کی کثرت

دوسرا کام یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی تلاوت کا خاص اہتمام کرنا ہے، کیوں کہ رمضان المبارک کے مہینے کو قرآن کریم کے ساتھ خاص مناسبت اور تعلق ہے، اسی مہینے میں قرآن کریم نازل ہوا، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری شریف ۱/ ۳، حدیث ۶) تمام بزرگانِ دین کی زندگیوں میں یوں تو قرآنِ کریم میں اشتغال بہت زیادہ نظر آتا ہے، لیکن رمضان المبارک کا مہینہ آتے ہی تلاوت کے معمول میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا۔

(۳) تراویح میں قرآنِ کریم صحیح پڑھنے اور سننے کا اہتمام

اس مبارک مہینے میں ہر مؤمن کو اس بات کی بھی فکر کرنی ضروری ہے کہ تراویح میں قرآنِ مجید صحیح اور صاف صاف پڑھا جائے، جلدی جلدی اور حروف کو کاٹ کاٹ کر پڑھنے سے پرہیز کیا جائے، کیوں کہ اس طرح قرآنِ کریم پڑھنا اللہ کے کلام کی عظمت کے خلاف ہے، نیز پڑھنے والے کو خود قرآنِ کریم بددعا دیتا ہے۔ (احیاء العلوم عن انسؓ ۱/ ۲۷۴، فی ذمّ تلاوۃ الغافلین)

اس طرح قرآن کریم پڑھنے والا اور سننے والے سب گنہگار ہوتے ہیں، ہمارا حال یہ ہے کہ حافظ صاحب نہایت تیز گامی کے ساتھ حروف کو کاٹ کاٹ کر پڑھتے چلے جارہے ہیں، ایک سانس میں سورۂ فاتحہ

کو ختم کر دیا جاتا ہے، صحیح طریقے سے رکوع، سجدہ اور تشہد ادا نہیں ہو رہا ہے، چالیس پینتالیس منٹ میں پوری نماز ختم، اب گھنٹوں مجلسوں میں بیٹھ کر گپ شپ ہو رہا ہے اور حافظ صاحب و سامعین میں سے کسی کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم نے قرآنِ کریم کی توہین میں کتنا حصہ لیا، اور رمضان کی مبارک ساعتوں میں کتنی بے برکتی اور قرآن کریم کی کتنی بددعالی؟

(۴) استغفار کی کثرت

چوتھا کام یہ کرنا ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنی ہے، حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کی پہلی، دوسری اور تیسری سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے ''آمین'' فرمایا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے پوچھنے پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والسلام میرے سامنے آئے تھے، اور جب میں نے منبر کے پہلے زینے پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی، میں نے کہا آمین، الیٰ آخر الحدیث۔ (مستدرک حاکم ۴/ ۱۷۰، کتاب البر والصلۃ، الترغیب والترہیب ۲/ ۵۶)

ظاہر ہے کہ اس شخص کی ہلاکت میں کیا شبہ ہے جس کے لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام بددعا کریں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہیں، اس لئے اس مبارک مہینے میں نہایت کثرت کے ساتھ گڑگڑا کر اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کرے۔

(۵) دعاء کا اہتمام

رمضان المبارک کی برکات کو حاصل کرنے کے لئے دعاؤں کا اہتمام بھی لازم ہے، بہت سی روایات میں روزے دار کی دعا کے قبول ہونے کی بشارت دی گئی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ثَلٰثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمُ الصَّائِمُ حَتّٰى يُفْطِرَ** (ترمذی شریف ۲/ ۲۰۰، حدیث ۳۵۹۸۔ مسند احمد، حدیث ۹۷۴۳) تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی (ضرور قبول ہوتی

ہے) ایک روزے دار کی افطار کے وقت، دوسرے عادل بادشاہ کی، تیسرے مظلوم کی بددعا، اس کو اللہ تعالیٰ بادلوں سے اوپر اٹھا لیتے ہیں اور آسمان کے دروازے اس کے لئے کھول دیے جاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ میں تیری ضرور مدد کروں گا گو (کسی مصلحت سے) کچھ دیر ہو جائے۔

(۶) صدقات کی کثرت

رمضان المبارک میں نفلی صدقات بھی زیادہ سے زیادہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے، حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا دریا پورے سال ہی موجزن رہتا تھا، لیکن ماہِ رمضان المبارک میں آپ کی سخاوت ایسی ہوتی تھی جیسے جھونکے مارتی ہوئی ہوائیں چلتی ہیں، (بخاری شریف ۱/ ۳) جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا اس کو ضرور نوازتے۔

(۷) کھانے کی مقدار میں کمی

ساتویں چیز جس کا لحاظ رمضان المبارک کے مقصد کو حاصل کرنے میں معاون ہے ''کھانے کی مقدار میں کمی کرنا'' ہے، کیوں کہ روزے کا مقصد قوتِ شہوانیہ وبہیمیہ کا کم کرنا اور قوتِ ملکیہ ونورانیہ کا بڑھانا ہے، جب کہ زیادہ کھانے سے یہ غرض فوت ہو جاتی ہے، بقول شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ افطار کے وقت تلافئ مافات میں (کہ پورے دن بھوکا رہا) اور سحر کے وقت حفظِ ماتقدم میں (کہ پورے دن بھوکا رہنا ہے) اتنی زیادہ مقدار میں کھا لیتے ہیں کہ بغیر رمضان کے بھی اتنی مقدار کھانے کی نوبت نہیں آتی جس کی وجہ سے کھٹّی ڈکاریں آنے لگتی ہیں، حقیقۃً ہم لوگ صرف کھانے کے اوقات بدلتے ہیں یعنی افطار میں، تراویح کے بعد، اور پھر سحری میں، اس کے علاوہ کچھ بھی کمی نہیں کرتے، بلکہ مختلف قسم کی زیادتی ہی ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے قوتِ شہوانیہ وبہیمیہ کم ہونے کے بجائے اور بڑھ جاتی ہے اور مقصد کے خلاف ہو جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو رمضان المبارک کے علاوہ بھی پیٹ کو زیادہ بھرنے

سے منع فرمایا ہے۔

(۸) گناہوں سے پرہیز

رمضان المبارک میں خاص طور پر گناہوں سے پرہیز کرنا نہایت ضروری ہے، ہر مؤمن کو یہ طے کرلینا چاہئے کہ اس برکت ورحمت اور مغفرت کے مہینے میں آنکھ، کان اور زبان غلط استعمال نہیں ہوگی، جھوٹ، غیبت، چغلخوری اور فضول باتوں سے مکمل پرہیز کرے، یہ کیا روزہ ہوا کہ روزہ رکھ کر ٹیلی ویژن کھول کر بیٹھ گئے اور فحش وگندی فلموں سے وقت گزاری ہورہی ہے، کھانا، پینا اور جماع جو حلال تھیں ان سے تو اجتناب کرلیا لیکن مجلسوں میں بیٹھ کر کسی کی غیبت ہورہی ہے، چغلخوری ہورہی ہے، جھوٹے لطیفے بیان ہورہے ہیں، اس طرح روزے کی برکات جاتی رہتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ لَمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ۔ (صحیح بخاری ۱/۲۵۵) جو آدمی روزہ رکھتے ہوئے باطل کام اور باطل کلام نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

یعنی روزے کی قبولیت کیلئے ضروری ہے کہ آدمی کھانا پینا چھوڑنے کے علاوہ معصیات ومنکرات سے بھی زبان وذہن اور دوسرے اعضاء کی حفاظت کرے۔ (معارف الحدیث ۴/۱۱۱،۱۱۲)

خلاصہ کلام یہ کہ روزے کے مقصد (تقویٰ) اور رمضان المبارک کی برکتوں اور رحمتوں کے حصول کے لئے معصیات ومنکرات سے پرہیز نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر تقوے کی سعادت سے متمتع نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے ان تمام باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، رمضان المبارک کی قدردانی کی توفیق بخشے، اور اس بابرکت مہینے کے اوقات کو صحیح طور پر خرچ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یارب العلمین۔

اتحاد واتفاق اور اس کی حد

مولوی محمد ایوب سہارنپوری متعلم شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

دورِ حاضر کا ایک اہم اور حساس موضوع ''اتحادِ ملت'' کا مسئلہ ہے، جو وقت کی اہم ضرورت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا اہم دینی فریضہ بھی ہے۔

قرآن وحدیث میں اس مسئلہ کی اہمیت کو مختلف انداز میں بار بار واضح کیا گیا ہے، اور مسلمانوں کو آپس میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے، اور تفرقہ واختلاف سے بچنے کی خاص تاکید کی گئی ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں: اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو، اور آپس میں نہ جھگڑو، ورنہ تم شکست کھاؤ گے اور تمہاری ہوا نکل جائے گی۔ (سورۃ الأنفال: ۶۴)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے آپسی اختلاف کو ختم کرانے کے لیے بنفسِ نفیس ان کے پاس تشریف لے گئے، اور عملی طور پر ان کے درمیان صلح کرائی۔ (بخاری شریف: ۲۶۹۳-۲۶۹۰)۔

لیکن اسلام میں جس طرح ہر کام کے لیے حدود وقیود متعین کی گئی ہیں، اسی طرح اتحاد واتفاق کے لیے بھی بنیادی اصول اور ضابطے بیان کیے گئے ہیں، چنانچہ اللہ تعالی قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: اے ایمان والو! تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں تقسیم مت ہو۔ (آل عمران: ۱۰۳)۔

اللہ تعالی نے اس آیتِ شریفہ میں مطلوب اتحاد واتفاق کو عملی جامہ پہنانے کے طریقے کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، کہ تم میں سے ہر فرد پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالی کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لے، مطلب یہ ہے کہ اس میں وارد تمام أحکام ومسائل اور أخبار وواقعات کو دل سے قبول کیا جائے، اور فکراً وعملاً ہر طریقے سے اس کو تسلیم کیا جائے۔

پھر جس طرح اللہ تعالی پر ایمان لانا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے

ساتھ ہی معتبر ہوتا ہے، اسی طرح ''کتاب اللہ'' کا اعتصام اسی وقت معتبر مانا جائے گا جب کہ ''سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کا بھی اعتصام پایا جائے، جیسا کہ خود قرآن کریم میں اس مضمون کو مختلف اسلوب میں واضح طور پر بیان فرمایا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

(۱) اے نبی! آپ فرما دیجیے: کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، جس کے قبضے میں آسمان وزمین کی سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے، وہی جان لیتا ہے؛ لہٰذا تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول ''امی'' پر جو کہ خود بھی اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں، اور اسی نبی کا اتباع کرو تا کہ تم سیدھے راستے پر چل پڑو۔ (الأعراف:۱۵۸)۔

(۲) فرما دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو، تا کہ اللہ تم سے محبت کرنے لگے، اور وہ تمہارے گناہ معاف فرما دے، اللہ غفور و رحیم ہے۔ (آل عمران:۳۱)۔

(۳) جو رسول کی اطاعت کرتا ہے (حقیقةً) وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ (النساء:۸۰)۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ کی اطاعت کا تصور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے ذریعہ ہی ممکن ہے، اسی طرح ''کتاب اللہ'' کا اعتصام ''سنتِ رسول اللہ'' کے اہتمام ہی سے ممکن ہے؛ لہٰذا جب تمام افراد قرآنِ کریم کی اس ہدایت پر عمل پیرا ہوں گے تو خود بخود اتحاد وائتلاف کی فضا قائم ہو جائے گی، اور افتراق واختلاف کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اتحاد نہ کرنے اور امت میں اختلاف وافتراق پیدا کرنے کی ذمہ داری ان افراد اور جماعتوں پر عائد ہوتی ہے جو اللہ تعالی کے بتائے ہوئے راستے سے انحراف کرتے ہیں، اور اپنی مزعومہ عقل کو معیار قرار دے کر کتاب وسنت میں مذکور عقائد واَحکام سے روگردانی کرتے ہیں۔

لہٰذا اللہ تعالی کی رسی کو چھوڑ کر کسی اور بنیاد پر اتفاق واتحاد کی دعوت دینا، اور کتاب وسنت

میں مذکور ''صراطِ مستقیم'' سے الگ ہوکر جماعت بندی کی کوشش کرنا، یہ اتحاد واتفاق کے لیے دی گئی قرآنی تعلیم سے انحراف ہے۔

کیوں کہ جب کسی جماعت یا قوم میں تفرقہ اور اختلاف پیدا ہو جائے، تو ایسے میں دونوں کے درمیان مصالحت کرانے کا جو طریقہ کتاب وسنت میں وارد ہوا ہے وہ درجِ ذیل ہے:

مسلمانوں کے اختلاف کے وقت صحیح طرزِ عمل قرآنِ کریم کی روشنی میں

اللہ تعالی فرماتے ہیں: اگر مؤمنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں، تو تم ان کے درمیان صلح کراؤ، پھر بھی اگر ایک جماعت دوسری جماعت پر ظلم کرے، تو تم اس گروہ سے لڑو جو ظلم کر رہا ہے، یہاں تک کہ یہ بھی اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر یہ لوگ اللہ کے حکم کو تسلیم کرلیں تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ، اور انصاف قائم کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنی والوں کو پسند فرماتے ہیں۔(الحجرات:۹)۔

اس آیتِ شریفہ میں مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح واتحاد کرانے کا اسلامی طریقہ بیان کیا گیا ہے، کہ جو جماعت خلافِ شرع امر کی مرتکب ہو اس کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے حکم کے تابع کردے، اور کتاب وسنت کے فیصلے کو دل وجان سے تسلیم کرلے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ: مسلمانوں کے تمام جماعتی مناقشات ومشاجرات کا یہی حکم ہے۔

مسلمانوں کے اختلاف کے وقت صحیح طرزِ عمل حدیث شریف کی روشنی میں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مسلمانوں کے درمیان ہر صلح جائز ہے سوائے اس کے جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنادے(ابوداود:۳۵۹۴)۔

لہٰذا شرعی اصول کو نظر انداز کرتے ہوے، اور اس کی مخالفت کے ساتھ کی جانے والی کوئی

بھی صلح ومفاہمت اور اتحاد واتفاق شریعت کی نظر میں مذموم ہے نہ کہ محمود۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کے چند قیمتی ملفوظات ''مسکِ ختام'' کے طور پر نقل کیے جاتے ہیں:

۱–مقتضائے حق یہی ہے کہ جن دو جماعتوں یا دو شخصوں میں اختلاف ہو، اولاً یہ معلوم کیا جائے کہ حق پر کون ہے اور ناحق کون ہے، جب حق متعین ہو جاوے تو صاحبِ حق سے کچھ نہ کہا جاوے، بلکہ اس کا ساتھ دیا جاوے، اور صاحبِ باطل کو اس کی مخالفت سے روکا جاوے، چنانچہ نص ہے: {فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى أمر الله}۔

۲– نااتفاقی اس واسطے مذموم ہے کہ یہ دین کو مضر ہے، اور اگر دین کو مفید ہو مگر دنیا کو مضر ہو تو وہ مذموم نہیں۔

۳–''فساد'' کے معنی حالت کا شرعی اعتدال سے نکل جانا ہے، اور یہ افتراق ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اتفاق سے بھی کبھی کبھی فساد ہو جاتا ہے، پس ایسا اتفاق بھی مذموم ہے۔

۴–اتفاق صرف اسی وقت مطلوب ہے جب کہ دین کو مفید ہو، اور نااتفاقی جب ہی مذموم ہے جب کہ دین کو مضر ہو، اور اگر اتفاق دین کو مضر، اور نااتفاقی دین کو مفید ہو، تو اس وقت نااتفاقی ہی مطلوب ہے۔ (کمالاتِ اشرفیہ)۔

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد سلمان (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

فتاویٰ

انتخاب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

زکوٰۃ کن چیزوں پر فرض ہے؟

۱–سونا جب ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ ہو۔

۲– چاندی جب ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ ہو۔

۳–نقد روپیہ اور مال تجارت، بشرطیکہ ان کی مالیت چاندی کے نصاب کے برابر ہو۔

۴– مذکورہ بالا اشیا کے مجموعے پر یعنی کسی کے پاس کچھ سونا ہے، کچھ چاندی ہے، تھوڑے سے نقد پیسے ہیں اور کچھ مال تجارت ہے اور ان سب کی مجموعی مالیت چاندی کے نصاب (ساڑھے باون تولہ) کے برابر ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

واضح رہے کہ سونا، چاندی اور مال تجارت کا چالیسواں حصہ (یعنی ڈھائی فیصد) زکوٰۃ میں دینا ضروری ہے۔

۵– چرنے والے مویشیوں پر بھی زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری، ہر ایک کا الگ مستقل نصاب ہے۔

۶– زمین سے جو پیداوار حاصل ہوتی ہے اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہوتی ہے جسے اصطلاح شریعت میں ''عشر'' کہا جاتا ہے، اگر زمین بارش کے پانی سے سیراب کی گئی ہے تو دسواں حصہ اور اگر کنویں کے پانی سے یا نہری پانی خرید کر سیراب کی گئی ہے تو بیسواں حصہ عشر میں دینا فرض ہے۔

۷– فیکٹریوں، ملوں اور کارخانوں کے شیئرز پر بھی زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ ان کی قیمت چاندی کے نصاب (ساڑھے باون تولہ) کے برابر ہو۔ مشینری، فرنیچر اور استعمال کی چیزوں پر زکوٰۃ فرض نہیں۔